(رواه ابو داود وابن ماجة وابن حبان والأصبهاني وغيرهم كذا في الترغيب)

میرے مخلص بزرگو! اور ترقیٔ اسلام و مسلمین کے خواہشمند دوستو! یہ ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب اور روز افزوں بربادی کی وجوہ۔ ہر شخص اجنبیوں کو نہیں، برابر والوں کو نہیں، اپنے گھر کے لوگوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنی اولاد کو، اپنے ماتحتوں کو ایک لمحہ اس نظر سے دیکھ لے کہ کتنے کھلے ہوئے معاصی میں وہ لوگ مبتلا ہیں، اور آپ حضرات اپنی ذاتی وجاہت اور اثر سے ان کو روکتے ہیں یا نہیں؟ روکنے کو چھوڑیئے، روکنے کا ارادہ بھی کر لیتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کے دل میں کسی وقت اس کا خطرہ بھی گذرجاتا ہے کہ لاڈلا بیٹا کیا کر رہا ہے۔ اگر وہ حکومت کا کوئی جرم کرتا ہے، جرم بھی نہیں سیاسی مجالس میں شرکت ہی کر لیتا ہے تو آپ کو فکر ہوتی ہے کہ کہیں ہم نہ ملوث ہو جائیں۔ اس کو تنبیہ کی جاتی ہے اور اپنی صفائی اور تبرّی کی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ مگر کہیں اَحکمُ الحاکمین کے مجرم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جاتا ہے جو معمولی حاکمِ عارضی کے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ پیارا بیٹا شطرنج کا شوقین ہے، تاش سے دل بہلاتا ہے، نماز کئی کئی وقت کی اڑا دیتا ہے، مگر افسوس کہ آپ کے منہ سے کبھی حرفِ غلط کی طرح بھی یہ نہیں نکلتا کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ مسلمانوں کے کام نہیں ہیں، حالانکہ اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینے کے بھی مامور تھے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

بَبیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ایسے بہت سے لوگ ملیں گے جو اپنے لڑکے سے اس لئے ناخوش ہیں کہ وہ اُحدی ہے، گھر پڑا رہتا ہے، ملازمت کی سعی نہیں کرتا ہے، یا دوکان کا کام تندہی سے نہیں کرتا ہے، لیکن ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو لڑکے سے اس لئے ناراض ہوں کہ وہ جماعت کی پرواہ نہیں کرتا یا نماز قضا کر دیتا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اگر صرف آخرت ہی کا وبال ہوتا تب بھی یہ امور اس قابل تھے کہ ان سے کوسوں دور بھاگا جاتا، لیکن قیامت تو یہ ہے کہ اس دنیا کی تباہی کو جس کو ہم عملاً آخرت سے

مقدم سمجھتے ہیں انہیں امور کی وجہ سے ہے۔ غور تو کیجئے اس اندھے پن کی کوئی حد بھی ہے:

"مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى" (بنی اسرائیل:۷۲) حقیقی بات یہ ہے کہ "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" (البقرۃ:۷) کا پَرتو ہے۔

(۵) رُوِیَ عَنْ اَنَسٍ ﷛ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَالَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاالْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِى اللّٰهِ، فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. (رواه الأصبهاني، ترغیب)

حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمۂ توحید) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب وبلا کو دفع کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی اور اِستخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی واستخفاف کئے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔

اب آپ ہی ذرا انصاف فرمایئے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے، اس کے روکنے یا بند کرنے کی یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی کوئی کوشش ہے، ہرگز نہیں۔ ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالم میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی انعام ہے ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لئے کیا کچھ اَسباب نہیں پیدا کر لئے ہیں۔

حضرت عائشہ ﷝ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا کوئی اللہ کا عذاب اگر زمین والوں پر نازل ہو، اور وہاں کچھ دین دار لوگ بھی ہوں تو اُن کو بھی نقصان پہنچتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں تو سب کو اثر پہنچتا ہے مگر آخرت میں وہ لوگ گنہگاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے، اس لئے وہ حضرات جو اپنی دین داری پر مطمئن ہو کر دنیا سے یکسو ہو بیٹھے اس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدانخواستہ اگر مُنکرات کے اس شُیُوع پر کوئی بلا نازل ہو گئی

تو ان کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

(٦) عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهٖ اَنْ قَدْ حَضَرَهٗ شَيْءٌ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ اَحَدًا، فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اَسْتَمِعُ مَايَقُوْلُ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ، وَقَالَ: يَآاَيُّهَاالنَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِيْبَ لَكُمْ، وَتَسْاَلُوْنِيْ فَلَا اُعْطِيَكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَآاَنْصُرَكُمْ، فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ. (رواه ابن ماجة وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں حُجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَمر بالمَعْروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سُوال کرو اور سُوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں" یہ کلمات طیبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اس مضمون پر وہ حضرات خصوصیت سے توجہ فرمائیں جو دشمن کے مقابلہ کے لئے امور دینیہ میں تسامح اور مُساہلت پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی اعانت اور امداد دین کی پختگی ہی میں مُضمر ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ تم اَمر بالمَعْروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم بادشاہ کو مسلّط کر دے گا جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اس وقت تمہارے برگزیدہ لوگ دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی، تم مدد چاہو گے تو مدد نہ ہوگی، مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ملے گی۔ خود حق جَلَّ جَلالُہٗ کا ارشاد ہے "یَـآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْآ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (محمد:۷) (ترجمہ) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (اور دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادے گا (بیان القرآن)۔ دوسری جگہ ارشادِ باری عَزَّ اسْمُہٗ ہے "اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ" (آل عمران:۱۰۷) (ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہاری مدد کریں تو کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کریں تو پھر کون شخص ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے۔

دُرِمنثور میں بروایت ترمذی وغیرہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اَمر بالمَعروف اور نَہی عن المنکر کرتے رہو۔ ورنہ اللہ جَلّ جَلالُہٗ اپنا عذاب تم پر مسلّط کردیں گے، پھر تم دعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

یہاں پہنچ کر میرے بزرگ اول یہ سوچ لیں کہ ہم لوگ اللہ کی کس قدر نافرمانیاں کرتے ہیں، پھر معلوم ہوجائے گا کہ ہماری کوششیں بیکار کیوں جاتی ہیں، ہماری دعائیں بے اثر کیوں رہتی ہیں، ہم اپنی ترقی کے بیج بو رہے ہیں یا تنزّل کے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیَ الدُّنْيَا، نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْاِسْلَامِ، وَاِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْكَرِ، حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْیِ، وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ.

(كذا فی الدر عن الحكيم الترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے قلوب سے نکل جائیگی، اور جب اَمر بالمَعروف اور نَہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی، اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جَلّ شَانُہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

اے بہی خواہانِ قوم! ترقیٔ اسلام اور ترقیٔ مسلمین کے لئے ہر شخص کوشاں اور ساعی ہے، لیکن جو اسباب اس کے لئے اختیار کئے جارہے ہیں وہ تنزل کی طرف لے جانے

والے ہیں۔ اگر درحقیقت تم اپنے رسول (رُوحی فِداہٗ ﷺ) کو سچا رسول سمجھتے ہو، ان کی تعلیم کو سچی تعلیم سمجھتے ہو۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو وہ سببِ مرض بتارہے ہیں، جن چیزوں کو وہ بیماری کی جڑ فرمارہے ہیں وہی چیزیں تمہارے نزدیک سببِ شفا وصحت قرار دی جارہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ لیکن تمہاری رائے ہے کہ مذہب کی آڑ کو بیچ سے ہٹادیا جائے تاکہ ہم بھی دیگر اقوام کی طرح ترقی کرسکیں۔ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (الشوریٰ:۲۰)

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔" (بیان القرآن)

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان آخرت کو اپنا نصبُ العین بنالیتا ہے اللہ جَلَّ شَانُہٗ اس کے دل کو غنی فرمادیتے ہیں اور دنیا ذلیل ہوکر اس کے پاس آتی ہے اور جو شخص دنیا کو اپنا نصبُ العین قرار دیتا ہے پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں جتنا حصہ مقدر ہوچکا ہے اس سے زیادہ ملتا ہی نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس آیتِ پاک کی تلاوت فرماکر ارشاد فرمایا کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے کہ: "اے ابنِ آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا، میں تیرے سینہ کو تفکرات سے خالی کردونگا اور تیرے فقر کو ہٹادوں گا، ورنہ تیرے دل میں (سینکڑوں طرح کے) مشاغل بھردوں گا اور تیرا فقر بند نہیں کروں گا۔" یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے اور تمہاری رائے ہے کہ مسلمان ترقی میں اس لئے پیچھے ہٹے ہوئے ہیں کہ جو راستہ ترقی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے یہ مُلّا نے اس میں رکاوٹیں پیدا کردیتے ہیں۔ آپ ہی ذرا انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں کہ اگر یہ مُلّا نے ایسے ہی لالچی ہیں تو آپ حضرات کی ترقیات

ان کیلئے تو مَسرّت کا سبب ہوں گی کیونکہ جب ان کی روزی آپ کے زعم میں آپ کے ذریعہ سے ہے تو جس قدر وسعت اور فتوحات آپ پر ہوں گی وہ اُن کے لئے بھی سببِ وسعت اور فتوحات ہوں گی، مگر یہ خود غرض پھر بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو کوئی تو مجبوری ان کو درپیش ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے نفع کو بھی کھور ہے ہیں اور آپ جیسے محسن و مُربّیوں سے بگاڑ کر گویا اپنی دنیا خراب کرر ہے ہیں۔ میرے دوستو! ذرا غور تو کرو، اگر یہ مُلّا نے کوئی ایسی بات کہیں جو قرآن پاک میں بھی صاف طور پر موجود ہو تو پھر تو اُن کی ضد سے منہ پھیرنا نہ صرف عقل ہی سے دور ہے، بلکہ شانِ اسلام سے بھی دور ہے۔ یہ مُلّاً نے خواہ کتنے ہی نااہل ہوں، مگر جب کہ صریح ارشادِ باری عَزّ اسمُہٗ اور ارشادِ نبی کریم ﷺ آپ تک پہنچار ہے ہوں تو آپ پر ان ارشادات کی تعمیل فرض ہے اور حکم عدولی کی صورت میں جواب دہی لازمی ہے۔ کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا سرکاری قانون کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اعلان کرنے والا بھنگی تھا۔

آپ حضرات یہ نہ فرمائیں کہ یہ مولوی جو دینی کاموں کے لئے مخصوص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیشہ دنیا سے سوال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ میرا جہاں تک خیال ہے حقیقی مولوی اپنی ذات کے لئے شاید ہی کبھی سوال کریں بلکہ جس قدر بھی وہ اللہ کی عبادت میں منہمک ہیں اسی قدر استغنا سے ہدیہ بھی قبول فرماتے ہیں، البتہ کسی دینی کام کے لئے سوال کرنے میں ان شاء اللہ وہ اس سے زیادہ ماجور ہیں جتنا اپنے لئے سوال نہ کرنے میں۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ دینِ محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں رَہبانیت کی تعلیم نہیں۔ اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ ارشادِ باری عَزّ اسمُہٗ ہے: "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (البقرۃ: ۲۰۱) اور اس آیتِ شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے، گویا تمام قرآنِ پاک میں عمل کرنے کے لئے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے، لیکن اوّل تو آیتِ شریفہ کی تفسیر رَاسخین فی العلم سے معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ صرف لفظی ترجمہ دیکھ کر اپنے کو عالِمِ قرآن سمجھ لینا جہالت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماءِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے جو آیتِ شریفہ کی تفسیریں منقول ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد عافیت اور بقدرِ کفایت روزی ہے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے منقول ہے کہ اس سے صالح بیوی مراد ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد علم اور عبادت ہے۔ سُدّی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ پاک مال مراد ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نیک اولاد اور خلقت کی تعریف مراد ہے۔ جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صحت اور روزی کا کافی ہونا اور اللہ پاک کے کلام کا سمجھنا دشمنوں پر فتح اور صالحین کی صحبت مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہر قسم کی دنیا کی ترقی مراد ہو جیسا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے تب بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذکر ہے نہ کہ اس کی تحصیل میں انہماک اور مشغولی کا، اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا خواہ ٹوٹے ہوئے جوتے کی اصلاح ہی کیوں نہ ہو، یہ خود دین ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا کے حاصل کرنے کو، اس کے کمانے کو کون منع کرتا ہے یقیناً حاصل کیجئے اور بہت شوق سے حاصل کیجئے۔ ہم لوگوں کی ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ دنیا جیسی مُغتَنَم ومقصود چیز کو چھوڑ دیں۔

مقصد یہ ہے کہ جتنی کوشش دنیا کے لئے کریں اس سے زیادہ نہیں تو کم ازکم اس کے برابر تو دین کے لئے کریں۔ اس لئے کہ خود آپ کے قول کے موافق دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دی گئی ہے، ورنہ میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآنِ پاک میں یہ آیت ارشاد فرمائی ہے، اسی کلامِ پاک کی وہ آیت بھی تو ہے جو اُوپر گذر چکی "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ" (الشوریٰ:۲۰) اور اسی کلام پاک میں یہ بھی ہے: "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا" (بنی اسرائیل:۱۸، ۱۹) اسی کلام پاک میں ہے "ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ○" (آل عمران:۱۴) اسی کلام پاک میں ہے "مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ" (آل عمران:۱۵۲) اسی کلامِ پاک میں ہے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى" (النساء:۷۷) اسی کلام پاک میں ہے "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ" (الانعام:۳۲) اسی کلام پاک میں ہے

"وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا". (الانعام:۷۰) اسی کلام پاک میں ہے "تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ" (الانفال:۶۷) اسی کلام پاک میں ہے "اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ" (التوبہ:۳۸) اسی کلام پاک میں ہے "مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" (ھود:۱۵،۱۶) اسی کلام پاک میں ہے "وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ" (الرعد:۲۶) اسی کلام پاک میں ہے "فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ" (النحل:۱۰۶،۱۰۷)۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں دنیاوآخرت کا تقابل کیا گیا ہے۔اس وقت نہ اِحصاء مقصود نہ ضرورت، نمونہ کے طور پر چند آیات اختصاراً لکھ دی ہیں اور اختصار ہی کی وجہ سے ترجمہ کی بجائے پارہ کا حوالہ لکھ دیا ہے۔کسی مُتَرجَم قرآن شریف سے ترجمہ دیکھ لیجئے، مقصود سب کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں جولوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خسران میں ہیں۔اگر دونوں کو آپ نہیں سنبھال سکتے تو پھر صرف آخرت ہی قابل ترجیح ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ دنیا کی زندگی میں آدمی ضروریاتِ دُنیویہ کا سخت محتاج ہے، مگر اس وجہ سے کہ آدمی کو بیت الخلا جانا لَابُدَّ ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اس لئے دن بھر وہیں بیٹھا رہے اس کو کوئی بھی عقلِ سلیم گوارا نہیں کرے گی۔

حکمتِ الٰہی پر ایک نگاہِ عمیق ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شریعتِ مطہرہ میں ایک ایک چیز کا اِنضباط ہے۔اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ نے ایک ایک چیز کو واضح فرما دیا۔نمازوں کے اوقات کے تقسیم نے صاف طور سے اس جانب اشارہ کر دیا کہ روز وشب کے چوبیس گھنٹوں میں نصف بندہ کا حق ہے چاہے وہ اس کو اپنی راحت میں خرچ کرے یا طلبِ معیشت میں، اور نصف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور آپ کی تجویز کے موافق دین و دنیا کے ساتھ ساتھ رکھنے کا مقتضیٰ بھی یہی ہونا چاہئے کہ روز وشب میں سے آدھا وقت دین کے لئے خرچ ہونا چاہئے

اور آدھا دنیا کے لئے۔ ورنہ اگر دنیاوی مشاغل خواہ فکر معاش کے ہوں یا راحتِ بدن کے، نصف سے بڑھ گئے تو یقیناً آپ نے دنیا کو راجح بنالیا۔ پس آپ کی تجویز کے موافق بھی مقتضائے عدل یہی ہے کہ شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں سے ۱۲ گھنٹے دین کے لئے خرچ کئے جاویں تا کہ دونوں کا حق ادا ہو جائے اور اس وقت یقیناً یہ کہنا بجا ہوگا کہ دنیا وآخرت دونوں کی حسنات کی تحصیل کا حکم کیا گیا ہے اور اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی۔ یہ مضمون اس جگہ مقصود نہ تھا بلکہ اشکال کے جواب میں تبعاً آ گیا، اس لئے مختصر و مجمل طور پر اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔ اس فصل میں مقصود احادیثِ تبلیغ کا ذکر کرنا تھا۔ ان میں سے سات احادیث پر اکتفا کرتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے سات تو سات ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لئے "فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ" (الشعراء:۲۲۷) کافی سے زائد ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گذارش یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں جب کہ بخل کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشاتِ نفسانیہ کا اتباع کیا جائے، دنیا کو دین پر ترجیح دی جائے، ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے دوسرے کی نہ مانے، اس وقت میں نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی کا حکم فرمایا ہے، مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہنچے کہ اس وقت کسی قسم کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ نیز ان عیوب سے جن کا ذکر اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اہتمام سے بچنا ضروری ہے کہ یہ فتنوں کے دروازے ہیں۔ ان کے بعد سراسر فتنے ہی فتنے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ان کو ہلاک کر دینے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ"۔

فصلِ ثالث

اس میں ایک خاص مضمون پر تنبیہ مقصود ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح اس زمانہ میں نفس تبلیغ میں کوتاہی ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں ایک خاص مرض یہ ہے کہ جب وہ کسی دینی منصب، تقریر، تحریر، تعلیم، تبلیغ،

وعظ وغیرہ پر مامور ہوجاتے ہیں تو دوسروں کی فکر میں ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اپنے سے غفلت ہوجاتی ہے، حالانکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی احتیاج ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے متعدد مواقع میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مبتلائے معاصی رہے۔

آپ ﷺ نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی امت کے واعظ ومقرر ہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے (مشکوۃ شریف)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اہلِ جنت کے چند لوگ بعض اہلِ جہنم سے جا کر پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ ہم تو جنت میں تمہاری ہی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی بدولت پہنچے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم تم کو تو بتلاتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بدکار قراء (علماء) کی طرف عذابِ جہنم زیادہ سرعت سے چلے گا۔ وہ اس پر تعجب کریں گے کہ بت پرستوں سے بھی پہلے ان کو عذاب دیا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ جاننے کے باوجود کسی جرم کا کرنا انجان ہو کر کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ اس شخص کا وعظ نافع نہیں ہوتا جو خود عامل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر روز جلسے، وعظ، تقریریں ہوتی رہتی ہیں مگر ساری بے اثر، مختلف انواع کی تحریرات ورسائل شائع ہوتے رہتے ہیں مگر سب بے سود۔ خود اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (البقرۃ:٤٤)	”کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہوئے اپنے آپ کو، حالانکہ پڑھتے ہو کتاب۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“ (ترجمہ عاشق)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى	”قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک

يُسْأَلَ عَنْ اَرْبَعٍ: عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَ اَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ اَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ اَنْفَقَهٗ، وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا ذَا عَمِلَ فِيْهِ. (ترغیب عن البیھقی وغیرہ)

اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے جب تک چار سوال نہ کر لئے جاویں: [1] عمر کس مشغلہ میں ختم کی، [2] جوانی کس کام میں خرچ کی، [3] مال کس طرح کمایا تھا اور کس کس مصرف میں خرچ کیا تھا، [4] اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس امر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام مجمعوں کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا جاوے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ بدترین خلائق کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برائی کے سوالات نہیں کیا کرتے، بھلائی کی باتیں پوچھو۔ بدترین خلائق بدترین علماء ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو صرف زبان پر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالم پر حجت تام ہے۔ دوسرے وہ علم ہے جو دل پر اثر کرے، وہ علم نافع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علمِ ظاہری کے ساتھ علمِ باطن بھی حاصل کرے تاکہ علم کے ساتھ قلب بھی مُتَّصِف ہو جائے ورنہ اگر دل میں اس کا اثر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہوگا اور قیامت کے دن اس پر مواخذہ ہوگا کہ اس علم پر کیا عمل کیا، اور بھی بہت سی روایات میں اس پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے میری درخواست ہے کہ مبلّغین حضرات اپنی اصلاحِ ظاہر و باطن کی پہلے فکر کریں۔ مبادا ان وعیدوں میں داخل ہو جائیں۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ اپنی رحمتِ واسعہ کے طفیل اس سیہ کار کو بھی اصلاحِ ظاہر و باطن کی توفیق عطا فرمادیں کہ اپنے سے زیادہ بدافعال کسی کو بھی نہیں پاتا۔ "اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ الْوَاسِعَةِ".

فصلِ رابع

اس میں بھی ایک خاص و نہایت اہم امر کی طرف حضرات مبلّغین کی توجہ مبذول کرانا

مقصود ہے جو نہایت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ تبلیغ میں بسا اوقات تھوڑی سی بے احتیاطی سے نفع کے ساتھ نقصان بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ احتیاط کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ تبلیغ کے جوش میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک مسلمان کی پردہ دری ہو رہی ہے، حالانکہ عرضِ مسلم ایک عظیم الشان و وقیع شے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِيْهِ. (رواہ مسلم و ابوداود وغیرھما ترغیب)

''جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ، كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰی يَفْضَحَهٗ بِهَا فِیْ بَيْتِهٖ. (رواہ ابن ماجہ، ترغیب)

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیگا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کی پردہ دری فرماتا ہے حتیٰ کہ گھر بیٹھے اس کو رسوا کر دیتا ہے۔''

الغرض بہت سی روایات میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، اس لئے مبلغین حضرات کو مسلمان کی پردہ پوشی کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے اور اس سے زیادہ بڑھ کر اس کی آبرو کی حفاظت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں مسلمان کی مدد نہ کرے کہ اس کی آبروریزی ہو رہی ہو تو اللہ جل شانہٗ اس کی مدد سے ایسے وقت میں اعراض فرماتے ہیں جب کہ وہ مدد کا محتاج ہو۔ ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ بدترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔

اسی طرح بہت سی روایات میں مسلمان کی آبرو ریزی پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اس لئے بہت ضروری ہے کہ مبلّغین حضرات اس کا پُر زور اہتمام رکھیں کہ نہی عن المنکر میں اپنی طرف سے پردہ دری نہ ہو۔ جو مُنکر مخفی طور سے معلوم ہو اس پر مخفی انکار ہو اور جو علانیہ کیا جائے اس پر علانیہ انکار ہونا چاہئے۔ نیز انکار میں بھی اس کی آبرو کی حتی الوُسع فکر رہنی چاہئے، مبادا نیکی برباد گناہ لازم کا مِصداق ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ مُنکر پر انکار ضرور کیا جائے کہ سابقہ وعیدیں بھی بہت سخت ہیں، مگر اس میں اس کی آبرو کا بھی حتی الوسع سخت اہتمام کیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ جس معصیت کا وقوع علانیہ طور پر ہو رہا ہو اس پر بے تکلّف علانیہ انکار کیا جائے، لیکن جس منکر کا کرنے والے کی طرف سے اِفشا نہ ہو اس پر انکار کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایسی صورت اختیار نہ فرمائی جائے جس سے اس کا افشا ہو۔ نیز یہ بھی آدابِ تبلیغ میں سے ہے کہ نرمی اختیار کی جائے۔ مامون الرشید خلیفہ کو کسی شخص نے سخت کلامی سے نصیحت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ نرمی سے کہو، اس لئے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے تم سے بہتر یعنی حضرت موسیٰ؛ حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کو میرے سے زیادہ برے یعنی فرعون کی طرف بھیجا تھا تو فرمایا تھا "قُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا" یعنی تم اس سے نرم گفتگو کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کر لے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک جوان حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے زنا کی اجازت دیدیجئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کی تاب نہ لا سکے اور ناراض ہونا شروع فرما دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل سے فرمایا: قریب ہو جاؤ، اور پھر فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کیساتھ زنا کرے؟ کہا: میں آپ پر قربان ہوں، یہ میں ہرگز نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کی ساتھ زنا کیا جائے۔ پھر فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری بیٹی سے زنا کرے؟ عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوں، نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ غرض اسی طرح بہن خالہ پھوپھی کو پوچھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک اس شخص کے سینہ پر رکھ کر دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس کے دل کو پاک کر اور گناہ کو معاف فرما اور شرمگاہ کو معصیت سے محفوظ فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے زنا کی برابر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک مبغوض نہ

تھی۔ بالجملہ دعا سے، دوا سے، نصیحت سے، نرمی سے، یہ تصور کر کے سمجھائے کہ میں اس جگہ ہوتا تو میں اپنے لئے کیا صورت پسند کرتا کہ لوگ مجھ کو اس صورت سے نصیحت کریں۔

فصلِ خامس

اس میں بھی مبلّغین کی خدمت میں ایک ضروری درخواست ہے وہ یہ کہ اپنی ہر تقریر و تحریر کو خلوص و اخلاص کے ساتھ متّصف فرمائیں کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی دینی اور دُنیوی ثمرات کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا میں اس کا کوئی اثر نہ آخرت میں کوئی اجر۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ. (مشکوۃ عن مسلم)	”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں“۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص۔ ترغیب نے مختلف روایات میں یہ مضمون ذکر کیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن میں حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیّت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لئے کیا گیا ہو۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: ”قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْہِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ. وَ فِیْ رِوَایَۃٍ: فَاَنَا مِنْہُ بَرِیْءٌ فَھُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَہٗ“ (مشکوۃ عن مسلم) ترجمہ۔ ”حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے کہ میں سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی دنیا کے شرکاء شرکت کے محتاج اور شرکت پر راضی ہوتے ہیں اور میں خلّاق علی الاطلاق ہوں، بے پرواہوں، عبادت

میں غیر کی شرکت سے بیزار ہوں) جو شخص کوئی عمل ایسا کرے جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرلے میں اس کو اس کے شریک کے حوالہ کر دیتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بری ہو جاتا ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ایک مُنادی بآوازِ بلند کہے گا کہ جس شخص نے کسی عمل میں دوسرے کو شریک کیا ہو وہ اس کا ثواب اور بدلہ اسی سے مانگے۔ اللہ تعالیٰ سب شرکاء میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے:

مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ، وَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ، وَ مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ. (مشكوٰة عن احمد)

"جو شخص ریا کاری سے نماز پڑھتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے، اور جو شخص ریا کاری سے روزہ رکھتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے، جو شخص ریا کاری سے صدقہ دیتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے"۔

مشرک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن کے دکھلانے کے لئے یہ اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتا ہے۔ اس حالت میں یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں رہتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے لئے بن جاتے ہیں جن کو دکھلانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اِسْتُشْهِدَ، فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُقَالَ جَرِئٌ، فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَهٗ وَقَرَأَ

"قیامت کے دن جن لوگوں کا اول وہلہ میں فیصلہ سنایا جاویگا ان میں سے ایک وہ شہید بھی ہوگا جس کو بلا کر اوّلاً اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جو اس پر کی گئی تھی، وہ اس کو پہچانے گا اور اقرار کریگا۔ اس کے بعد سوال کیا جاویگا کہ اس نعمت سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ تیری رضا کیلئے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ

الْقُرْاٰنَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ، وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ، فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ. (مشکوۃ عن مسلم)

جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں گے، سو کہا جاچکا اور جس غرض کیلئے جہاد کیا گیا تھا وہ حاصل ہوچکی۔ اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جاویگا اور وہ منہ کے بَل گھسیٹ کر جہنّم میں پھینک دیا جائیگا۔ دوسرے وہ عالم بھی ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآنِ پاک حاصل کیا۔ اس کو بُلا کر اس پر جو انعامات دنیا میں کئے گئے تھے اُن کا اظہار کیا جاویگا اور وہ اقرار کریگا۔ اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائیگا کہ ان نعمتوں میں کیا کیا کام کئے؟ وہ عرض کریگا کہ تیری رضا کیلئے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا، قرآن پاک تیری رضا کیلئے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ عالم کہیں، اور قرآن اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ قاری کہیں، سو کہا جاچکا (اور جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہوچکی)۔ اس کے بعد اس کو بھی حکم سُنا دیا جاویگا اور وہ بھی منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ تیسرے وہ مال دار بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وُسعتِ رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال مرحمت فرمایا، بُلایا جائے گا اور اس سے بھی نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات میں کیا کارگذاری کی ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ کوئی مصرفِ خیر ایسا نہیں جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب اس لئے کیا گیا کہ لوگ فیّاض کہیں سو کہا جاچکا اس کو بھی حکم کے

موافق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائیگا"۔

لہٰذا بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ مبلّغین حضرات اپنی ساری کارگذاری میں اللہ کی رضا، اس کے دین کی اشاعت، نبی کریم ﷺ کی سنت کا اتباع مقصود رکھیں۔ شہرت، عزت تعریف کو ذرا بھی دل میں جگہ نہ دیں۔ اگر خیال بھی آجائے تو لَا حَولَ، وَاِستِغفَار سے اس کی اصلاح فرمالیں۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ اپنے لطف اور اپنے محبوب کے صدقے اور محبوب کے پاک کلام کی برکت سے مجھ سیاہ کار کو بھی اخلاص کی توفیق عطا فرمائے اور ناظرین کو بھی۔ آمین

فصل سادس

اس میں عَامَّۃُ المسلمین کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے، وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے بھی ہوتے ہیں۔ علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچّوں میں شامل ہیں اور علمائے سوء، علمائے رُشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بے حد لحاظ کے قابل ہیں: اول یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماءِ سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہئے "وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" (بنی اسرائیل:۳۶) ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی (بیان القرآن) اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علمائے سوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود توراۃ کے مضامین کو عربی میں نقل کر کے سناتے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ ان کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے، یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق و تکذیب سے روک دیا، لیکن ہم

لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں، گو اس کا اہلِ حق ہونا بھی محقق ہو۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علمائے حقانی، علمائے رُشد، علمائے خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شان ہے، اس لئے اُن کی لغزشوں، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُن کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرما دیں، بلکہ اَغلب یہ ہے کہ اُن کی لغزشیں ان شاء اللہ معاف ہی ہو جاویں گی۔ اس لئے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگذر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جلّ وَعلا کے برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا، لیکن وہ بمُقتضائے عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا، لوگوں کیلئے بددینی کا سبب ہوگا، اور ایسا کرنے والوں کے لئے وبال عظیم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰـهِ تَعَالٰی اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَةِ الْـمُسْلِمِ وَ حَـامِـلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْهِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْهُ، وَاِکْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ترغیب عن ابی داود)

''تینوں اصحابِ ذیل کا اعزاز اللہ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ محافظِ قرآن جو افراط تفریط سے خالی ہو، تیسرا مُنصف حاکم۔''

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

لَیْسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ لَمْ یُبَجِّلْ کَبِیْرَنَا، وَیَرْحَـمْ صَغِیْرَ نَا، وَیَعْرِفْ عَالِمَنَا. (ترغیب عن احمد والحاکم وغیرھما)

''وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے، وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے۔''

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثٌ لَا یَسْتَخِفُّ بِھِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ، ذُو الشَّیْبَۃِ فِی الْاِسْلَامِ، وَذُو الْعِلْمِ، وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ. (ترغیب عن الطبرانی)

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے (نہ کہ مسلمان' وہ تینوں شخص یہ ہیں) ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا مُنصِف حاکم''۔

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے: ایک یہ کہ ان پر دُنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں، جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے۔ دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہوجائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے، حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا' اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں' سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیانُ القرآن)۔ یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چوں وچرا کا کیا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپروائی کا معاملہ کیا جائے۔ ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں عُلماء اور علومِ دینیہ کے متعلق اکثر اِستعمال کئے جاتے ہیں، ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظِ کفریہ میں شمار کیا ہے، مگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔ بالفرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ علمائے حقانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اطلاق کیا جاتا ہے علمائے سوء ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی صرف علماء کو علمائے سوء کہنے سے سبکدوشی نہیں ہوسکتی بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد ہوجاتا ہے کہ علمائے حقانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے،

ان کو علم سکھایا جائے اس لئے کہ علماء کا وجود فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس کے لئے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے، ورنہ تمام دنیا گناہ گار ہے۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے، ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں، سو پچاس برس کا نہیں، خیر القرون بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نعلین شریف بطورِ علامت کے دے کر اس اعلان کے لئے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو ہو وہ جنّت میں ضرور داخل ہوگا۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا قاصد بتاتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زور سے ان کے سینہ پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سُرینوں کے بل زمین پر گر پڑتے ہیں، مگر نہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے، نہ کوئی جلسہ ہو کر احتجاجی ریزولیوشن پاس ہوتا ہے۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں اور ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جُزئی ہو جو مُختلف فیہ نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں ایسے مختلف فیہ ہیں جو مجھ کوتاہ نظر کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہونگے، مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کے لئے اشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے، نہ جلسے اور مُناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے۔ راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا نہیں ہیں۔ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے۔ جب کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتوی دے گا دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجّت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر اختلاف نہ کرے تو مُداہن اور عاصی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لئے اس لچر اور پوچ عذر کو حیلہ بناتے ہیں، ورنہ ہمیشہ اَطِبّاء میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے، مگر کوئی شخص

علاج کرانا نہیں چھوڑتا، مقدمہ لڑانے سے نہیں رکتا۔ پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلافِ علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے، یقیناً سچے عمل کرنیوالے کے لئے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، متبع سنت سمجھتا ہے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لغو حملوں اور طعن وتشنیع سے باز رہے، جس شخص کے ذہن کی رسائی دلائل کے سمجھنے اور اُن میں ترجیح دینے تک نہیں ہے اس کا حق نہیں کہ ان میں دخل دے۔

نبی کریم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اسکے اہل نہ ہوں اس کو ضائع کرنا ہے، مگر جہاں بددینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح ارشادات پر لب کشائی ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو، وہاں بیچارے علماء کا کیا شمار ہے۔ جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں۔ "وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥" (البقرة: ٢٢٩)

فصلِ سابع

گویا چھٹی فصل کا تکملہ اور تتمہ ہے۔ اس میں ناظرین کی خدماتِ عالیہ میں ایک اہم درخواست ہے، وہ یہ کہ اکثر اللہ والوں کے ساتھ اِرتباط، ان کی خدمت میں کثرت سے حاضری، دینی اُمور میں تقویت اور خیر وبرکت کا سبب ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مِلَاكِ هٰذَا الْاَمْرِ الَّذِىْ تُصِيْبُ بِهٖ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ؟ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ اَهْلِ الذِّكْرِ.
(الحديث مشكوة ص ٤١٩)

"کیا تجھے دین کی نہایت تقویت دینے والی چیز نہ بتاؤں جس سے تو دین و دُنیا دونوں کی فلاح کو پہنچے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے والوں کی مجلس ہے اور جب تو تنہا ہوا کرے تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رطبُ اللّسان رکھا کر۔"

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہلُ اللہ کون لوگ ہیں؟ اہلُ اللہ کی پہچان اتباعِ سنت ہے کہ حق سبحانہ وتقدس نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو امت کی ہدایت کے لئے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (آل عمران:۳۱) محبّت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبّت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں" (بیان القرآن)

لہٰذا جو شخص نبیِ اکرم ﷺ کا کامل متبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے اور جو شخص اتباعِ سنت سے جس قدر دُور ہو وہ قربِ الٰہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبّت کا دعویٰ کرے اور سنتِ رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے، اس لئے کہ قاعدۂ محبّت اور قانونِ عشق ہے کہ جس سے کسی کو محبّت ہوتی ہے اس کے گھر سے، در و دیوار سے، صحن سے، باغ سے، حتیٰ کہ اس کے کتّے سے، اس کے گدھے سے محبّت ہوتی ہے ۔

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى اُقَبِّلُ ذَاالْجِدَارَ وَذَاالْجِدَارَا
وَمَاحُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

ترجمہ: کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر پر گذرتا ہوں تو اُس دیوار کو اور اُس دیوار کو پیار کرتا ہوں، کچھ شہروں کی محبّت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اُن لوگوں کی محبّت کی کارفرمائی ہے جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔

دوسرا شاعر کہتا ہے:

تَعْصِى الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ وَهٰذَا الْعَمْرِىْ فِى الْفِعَالِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ: تُو اللہ کی محبّت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے اگر تو اپنے دعویٰ میں سچّا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا، اس لئے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابع دار ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری تمام اُمت جنّت میں داخل ہوگی، مگر جس نے انکار کردیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "جس نے انکار کردیا" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنّت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ

اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کے دعویدار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ ہوں۔ کسی بات کو اُن مدّعیوں کے سامنے یہ کہہ دینا کہ سنت کے خلاف ہے، حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، گویا برچھی مار دینا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کیخلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ بالجملہ اس تحقیق کے بعد کہ یہ شخص اللہ والوں میں سے ہے، اس کے ساتھ ربط کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے منتفع ہونا، دین کی ترقی کا سبب ہے اور نبی کریم ﷺ کا امر بھی ہے۔

ایک حدیث میں ارشادِ عالی ﷺ ہے کہ جب تم جنّت کے باغوں میں سے گذرا کرو تو کچھ حاصل بھی کر لیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جنّت کے باغ کیا چیز ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "علمی مجالس"۔

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ علماء کی خدمت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حکمائے اُمت کے ارشادات کو غور سے سنا کرو، کہ حق تعالیٰ شانہ حکمت کے نور سے مردہ دلوں کو ایسے زندہ فرماتے ہیں کہ جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے۔ اور حکماء دین کے جاننے والے ہی ہیں نہ کہ دوسرے اشخاص۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہترین ہمنشین ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے سے اللہ کی یاد پیدا ہو، جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آ جائے۔ ترغیب میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد

آ جائے۔ خود حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (التوبہ:۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (بیان القرآن)

مفسّرین نے لکھا ہے کہ سچوں سے مراد اس جگہ مشائخِ صوفیہ ہیں۔ جب کوئی شخص انکی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہوجاتا ہے تو ان کی تربیت اور قوتِ ولایت کی بدولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کر جاتا ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے تو تُو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کرسکتا، گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے۔ لہٰذا جب بھی تجھے کوئی ایسا شخص ملے جس کا احترام تیرے دل میں ہو اس کی خدمت گذاری کر اور اس کے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی بھی خواہش نہ رہے۔ اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر، اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر، اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے پیشہ کر، مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کا حکم کرے تو بیٹھ جا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شیخِ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملادے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہو تو ملائکہ اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور حق سبحانہ وتقدس اپنی پاک مجلس میں ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک دل ربودہ کے واسطے اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوسکتی ہے کہ محبوب کی مجلس میں اس کا ذکر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں اِرشاد ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والی جماعت کے لوگوں کو جو اخلاص سے اللہ کو یاد کر رہے ہوں، ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے کہ اللہ نے تمہاری مغفرت کردی، اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں، اس کے رسول پر درود نہیں، اس مجلس والوں کو قیامت کے دن حسرت ہوگی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا ہے کہ یا اللہ اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے گذر کر غافلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے۔

جب اس کی صَوت وصورت سے ہے محرومی، تو بہتر ہے
مرے کانوں کا کر ہونا ، اور آنکھیں کور ہوجانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسی چمکتی ہیں جیسے کے زمین والوں کے نزدیک ستارے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہورہا تھا۔ واپس جا کر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر کیا ہورہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ چند لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت میں۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نوع کی روایات بکثرت ذکر فرمائی ہیں۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ خود نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (الکھف:۲۸)

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کیساتھ مُقیّد رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت، محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں، اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا

ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا اس پر شکر ادا فرمایا کرتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کی مجلس میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مامور ہوں، اور اسی آیتِ شریفہ میں دوسری جماعت کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کے قلوب اللہ کی یاد سے غافل ہیں، اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، حدود سے بڑھ جاتے ہیں، ان کے اِتّباع سے روک دیا گیا ہے۔

اب وہ حضرات جو ہر قول وفعل میں دین ودنیا کے کاموں میں کُفّار وفُسّاق کو مُقتدا بناتے ہیں، مشرکین ونصاریٰ کے ہر قول وفعل پر سو جان سے نثار ہیں، خود ہی غور فرمالیں کہ کس راستے جارہے ہیں۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی! کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

مرادِ مانصیحت بود و کردیم حوالت باخدا کردیم و رفتیم

وَمَا عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ

ممتثلِ امر

محمد زکریا کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور ۵ صفر ۱۳۵۰ھ

مطابق ۲۱ جون ۱۹۳۱ء شب دوشنبہ

فضائلِ رمضان

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس اللہ سرہ

مکتبۃ البشریٰ
کراچی - پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ط
حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا ط

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ چند احادیث کا ترجمہ ہے جو رمضان المبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ للعالمین ذات نے مسلمانوں کے لئے ہر باب میں جس قدر فضائل اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں اُن کا اصل شکریہ اور قدر دانی تو یہ تھی کہ ہم ان پر مر مٹتے، مگر ہماری کوتاہیاں اور دینی بے رغبتیاں اس قدر روز افزوں ہیں کہ ان پر عمل تو درکنار ان کی طرف التفات اور توجہ بھی نہیں رہی، حتیٰ کہ اب لوگوں کو ان کا علم بھی بہت کم ہو گیا ہے۔

ان اوراق کا مقصد یہ ہے کہ اگر مساجد کے ائمہ، تراویح کے حفاظ، اور وہ پڑھے لکھے حضرات جن کو دین کی کسی درجہ میں بھی رغبت ہے اوائلِ رمضان میں اس رسالہ کو مساجد اور مجامع میں سنا دیا کریں تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اپنے محبوب کے کلام کی برکت سے ہم لوگوں کو مبارک مہینے کی کچھ قدر اور اُسکی برکات کی طرف کچھ توجہ ہو جایا کرے اور نیک اعمال کی زیادتی اور بداعمالیوں کی کمی کا ذریعہ بن جایا کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت فرما دیں تو تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے (جو عمدہ مال شمار ہوتا ہے) بہتر اور افضل ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر بھی کی جائے۔ ورنہ ہم سے محروموں کے لئے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلاّئے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنّا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہو جائے۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کارے دارد، مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنّا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین

روزے رکھنا دل کے کھوٹ اور وساوس کو دُور کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار افطار کی اجازت فرما دینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک غزوہ کے سفر میں ایک منزل پر اُترے، گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کر لیں، بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے، اس حالت میں بھی بہت سے روزے دار تھے جن سے کھڑے ہو سکنے کا تحمل نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں روایات میں مختلف انواع کے فضائل نقل کئے گئے جن کا احاطہ تو مجھ جیسے ناکارہ کے امکان سے خارج ہے ہی، لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ تفصیل سے لکھوں تو دیکھنے والے اُکتا جائیں گے کہ اس زمانہ میں دینی اُمور میں جس قدر بے التفاتی کی جارہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ علم و عمل دونوں میں جس قدر بے پرواہی دین کے بارے میں بڑھتی جارہی ہے وہ ہر شخص اپنی ہی حالت میں غور کرنے سے معلوم کر سکتا ہے۔ اس لئے اکیس[۲۱] احادیث پر اکتفا کرتا ہوں اور ان کو تین فصلوں پر منقسم کرتا ہوں۔

فصل اول: رمضان المبارک کے فضائل میں، جس میں دس احادیث مذکور ہیں۔

دوسری فصل: شب قدر کے بیان میں، جس میں سات حدیثیں ہیں۔

تیسری فصل: میں اعتکاف کا ذکر ہے، جس میں تین حدیثیں ہیں۔ اس کے بعد خاتمہ میں ایک طویل حدیث پر اس رسالہ کو ختم کر دیا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی کریم ذات اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو قبول فرماویں اور مجھ سیہ کار کو بھی اس کی برکات سے انتفاع کی توفیق عطا فرماویں۔

فَاِنَّهٗ بَرٌّ جَوَادٌ کَرِیْمٌ

فصلِ اوّل

فضائل رمضان میں

(۱) عَنْ سَلْمَانَ رضي الله عنه قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يٰاَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. شَهْرٌ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً، وَّقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْ مَاسِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِيْهِ. مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا، كَانَ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَايُفَطِّرُ الصَّائِمَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى تَمْرَةٍ اَوْشَرْبَةِ مَاءٍ اَوْمَذْقَةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ، وَّ اَوْسَطُهُ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخر تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمھارے اوپر ایک مہینہ آ رہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے، جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے۔ جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہو گا، اور روزہ دار

مَغْفِرَةٌ، وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ. مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ، وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا. فَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهٗ. وَاَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْئَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَ تَعَوَّذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ. وَمَنْ سَقٰى صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ. (رواہ ابن خزيمة فى صحيحه، وقال: ان صح الخبر و رواه البيهقى و رواه ابو الشيخ ابن حبان فى الثواب باختصار عنهما، وفى اسانيدهم على بن زيد بن جدعان ورواه ابن خزيمة ايضًا والبيهقى باختصار عنه من حديث ابى هريرة و فى اسناده كثير بن زيد، كذا فى الترغيب، قلت: على بن زيد ضعفه جماعة، وقال الترمذى: صدوق وصحح له حديثا فى الاسلام وحسن له غير ما حديث، وكذا كثير ضعفه النسائى وغيره، قال ابن معين: ثقة، وقال ابن عدى: لم ار بحديثه باسا، واخرج بحديثه ابن خزيمة فى صحيحه كذا فى رجال المنذرى ص: ۷۰۴، لكن

کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے یا ایک گھونٹ لسّی پلا دے اس پر بھی مَرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اوّل حصّہ اللہ کی رحمت اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آگ سے آزادی ہے، جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کر دے اپنے غلام (و خادم) کے بوجھ کو حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمھیں چارۂ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمۂ طیّبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنّت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو،

قال العینی: الخبر منکر فتامل۔ جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے حق تعالیٰ شانہ (قیامت کے دن) میرے حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنّت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

ف: محدثین کو اس کے بعض رُواۃ میں کلام ہے، لیکن اوّل تو فضائل میں اس قدر کلام قابلِ تحمّل ہے، دوسرے اس کے اکثر مضامین کی دوسری روایات مؤیّد ہیں۔ اس حدیث سے چند امور معلوم ہوتے ہیں: اول نبی کریم ﷺ کا اہتمام کہ شعبان کی اخیر تاریخ میں خاص طور سے اس کا وعظ فرمایا اور لوگوں کو تنبیہ فرمائی تا کہ رمضانُ المبارک کا ایک سیکنڈ بھی غفلت سے نہ گذر جائے، پھر اس وعظ میں تمام مہینہ کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد چند اہم اُمور کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا۔ سب سے اول شبِ قدر کہ وہ حقیقت میں بہت ہی اہم رات ہے، ان اوراق میں اس کا بیان دوسری فصل میں مستقل آئے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا اور اس کے قیام یعنی تراویح کو سنت کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا ارشاد بھی خود حق سبحانہ وتقدس کی طرف سے ہے، پھر جن روایات میں نبیِ کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ میں نے سنت کیا اُن سے مراد تاکید ہے کہ حضور ﷺ اس کی تاکید بہت فرماتے تھے، اسی وجہ سے سب ائمہ اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں، برہان میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے رَوافض کے سوا کوئی شخص اس کا مُنکر نہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مَاثَبتَ بِالسُّنَّۃ'' میں بعض کُتُبِ فقہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں تو اس کے چھوڑنے پر امام ان سے مُقاتَلہ کرے۔ اس جگہ خصوصیّت سے ایک بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلدی سے کسی مسجد میں آٹھ دس دن میں کلامِ مجید سن لیں پھر چھٹی، یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دو سنتیں الگ الگ ہیں۔ تمام کلام اللہ شریف کا تراویح میں پڑھنا یا سننا یہ مستقل سنت ہے اور پورے رمضان شریف کی تراویح مستقل سنت ہے۔ پس اس صورت میں ایک سنت پر عمل ہوا اور دوسری رہ گئی۔ البتہ جن لوگوں کو

رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا کسی اور وجہ سے ایک جگہ تراویح پڑھنی مشکل ہو ان کے لئے مناسب ہے کہ اوّل قرآن شریف چندروز میں سُن لیں تا کہ قرآن شریف ناقص نہ رہے، پھر جہاں وقت ملا اور موقعہ ہوا وہاں تراویح پڑھ لی کہ قرآن شریف بھی اس صورت میں ناقص نہیں ہوگا اور اپنے کام کا بھی حرج نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے روزہ اور تراویح کا ذکر فرمانے کے بعد عام فرض اور نفل عبادات کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر ہے اور اُس کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے، اس جگہ ہم لوگوں کو اپنی اپنی عبادات کی طرف بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں فرائض کا ہم سے کس قدر اہتمام ہوتا ہے اور نوافل میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ فرائض میں تو ہمارے اہتمام کی یہ حالت ہے کہ سَحر کھانے کے بعد جو سوتے ہیں تو اکثر صبح کی نماز قضا ہوگئی اور کم از کم جماعت تو اکثروں کی فوت ہو ہی جاتی ہے، گویا سحر کھانے کا شکر یہ ادا کیا کہ اللہ کے سب سے زیادہ مہتم بالشان فرض کو یا بالکل قضا کر دیا یا کم از کم ناقص کر دیا کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کو اہلِ اُصول نے اداءِ ناقص فرمایا ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کا تو ایک جگہ ارشاد ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والوں کی تو (گویا) نماز بغیر مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔

''مَظاہرِ حق'' میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے بدون جماعت نماز پڑھتا ہے اس کے ذمہ فرض تو ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کو نماز کا ثواب نہیں ملتا۔ اسی طرح دوسری نماز مغرب کی بھی جماعت اکثروں کی افطار کی نذر ہو جاتی ہے اور رکعتِ اُولیٰ یا تکبیرِ اُولیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے اور بہت سے لوگ تو عشاء کی نماز بھی تراویح کے احسان کے بدلے میں وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو رمضانُ المبارک میں ہماری نماز کا حال ہے جو اہم ترین فرائض میں ہے کہ ایک فرض کے بدلے میں تین کو ضائع کیا۔ یہ تین تو اکثر ہیں، ورنہ ظہر کی نماز قیلولہ کی نذر اور عصر کی جماعت افطاری کا سامان خریدنے کی نذر ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح اور فرائض پر آپ خود غور فرمالیں کہ کتنا اہتمام رمضانُ المبارک میں ان کا کیا جاتا ہے اور جب فرائض کا یہ حال ہے تو نوافل کا کیا پوچھنا۔ اشراق اور چاشت تو

رمضانُ المبارک میں سونے کی نذر ہو ہی جاتے ہیں اور اوّابین کا کیسے اہتمام ہو سکتا ہے جب کہ ابھی روزہ کھولا ہے اور آئندہ تراویح کا سہم ہے اور تہجد کا وقت تو ہے ہی عین سحر کھانے کا وقت، پھر نوافل کی گنجائش کہاں، لیکن یہ سب باتیں بے توجہی اور نہ کرنے کی ہیں کہ ع

''تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں''

کتنے اللہ کے بندے ہیں کہ جن کے لئے انہیں اوقات میں سب چیزوں کی گنجائش نکل آتی ہے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کو متعدد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سنانا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً دو سوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی، اس کے بعد آپ حسبِ اختلافِ موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل سحر تناول فرماتے، اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ، تلاوت فرماتے اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اِسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے، اس کے بعد سے تقریباً بارہ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد''[1] تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھاتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد'' ختم ہو جانے کے بعد صبح کا کچھ حصّہ تلاوت اور کُتبِ بینی میں ''بَذْلُ الْمَجْهُوْد'' اور ''وَفَاءُ الْوَفَا'' زیادہ تر اس وقت زیرِ نظر رہتی تھی۔ یہ اس پر تھا کہ رمضانُ المبارک میں معمولات میں کوئی خاص تغیّر نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی تھا اور نوافلِ مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا، البتہ رکعات کے طول میں رمضانُ المبارک میں اضافہ ہو جاتا تھا، ورنہ جن اکابر کے یہاں رمضانُ المبارک کے خاص

[1] بذل المجہود عربی زبان میں ابوداؤد کی مکمل شرح ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

معمولات مستقل تھے اُن کا اتباع تو ہر شخص سے نبھنا بھی مشکل ہے۔

حضرت اقدس مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے کلامِ مجید ہی سنتے رہتے تھے، اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قُدِّسَ سِرُّہٗ کے یہاں تو رمضانُ المبارک کا مہینہ دن ورات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت ہوتی تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کے ایک دو فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضرِ خدمت ہو جایا کریں۔ بزرگوں کے یہ معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ ان پر کہہ دیا جائے، بلکہ اس لئے ہیں کہ اپنی ہمت کے موافق ان کا اتباع کیا جائے اور حَتَّی الْوُسْع پورا کرنے کا اہتمام کیا جاوے کہ ہر لائن اپنے مخصوص امتیازات میں دوسرے پر فائق ہے۔ جو لوگ دنیوی مشاغل سے مجبور نہیں ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ گیارہ مہینے ضائع کر دینے کے بعد ایک مہینہ مرمٹنے کی کوشش کر لیں۔ ملازم پیشہ حضرات جو دس بجے سے چار بجے تک دفتر میں رہنے کے پابند ہیں اگر صبح سے دس بجے تک کم از کم رمضانُ المبارک کا مبارک مہینہ تلاوت میں خرچ کر دیں تو کیا دقّت ہے، آخر دُنیوی ضروریات کے لئے دفتر کے علاوہ اوقات میں سے وقت نکالا ہی جاتا ہے اور کھیتی کرنے والے تو نہ کسی کے نوکر، نہ اوقات کے تغیّر میں ان کو ایسی پابندی کہ اس کو بدل نہ سکیں یا کھیتی پر بیٹھے بیٹھے تلاوت نہ کر سکیں اور تاجروں کے لئے تو اس میں کوئی دِقت ہی نہیں کہ اس مبارک مہینہ میں دوکان کا وقت تھوڑا سا کم کر دیں یا کم از کم دُکان ہی پر تجارت کے ساتھ تلاوت بھی کرتے رہا کریں کہ اس مبارک مہینہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ بہت ہی خاص مناسبت ہے۔

اسی وجہ سے عموماً اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی تمام کتابیں اسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں، چنانچہ قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر تمام کا تمام اسی ماہ میں نازل ہوا اور وہاں سے حسبِ موقع تھوڑا تھوڑا تئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفے اسی ماہ کی یکم یا تین تاریخ کو عطا ہوئے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو

زبُور ۱۸ یا ۱۲ رمضان کو ملی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ۶ رمضانُ المبارک کو عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضانُ المبارک کو ملی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے، اسی وجہ سے تلاوت کی کثرت اس مہینہ میں منقول ہے اور مشائخ کا معمول۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں تمام قرآن شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے قرآن پاک کے دَور کرنے کا جو عام طور سے رائج ہے استحباب نکالا ہے۔ بالجملہ تلاوت کا خاص اہتمام جتنا بھی ممکن ہو سکے کرے اور جو وقت تلاوت سے بچے اس کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث کے آخر میں چار چیزوں کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا اور اس مہینہ میں اُن کی کثرت کا حکم فرمایا: کلمہ طیّبہ[۱] اور استغفار[۲] اور جنّت[۳] کے حصول اور دوزخ سے بچنے کی دُعا۔ اس لئے جتنا وقت بھی مل سکے ان چیزوں میں صَرف کرنا سعادت سمجھے اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی قدر ہے۔ کیا دقت ہے کہ اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے زبان سے درود شریف یا کلمہ طیّبہ کا بھی وِرد رہے اور کل کو یہ کہنے کا منہ باقی رہے۔

میں گو رہا رہینِ ستم ہائے روزگار — لیکن تمھاری یاد سے غافل نہیں رہا

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ کی کچھ خصوصیتیں اور آداب ارشاد فرمائے: اولاً یہ کہ یہ صبر کا مہینہ ہے یعنی اگر روزہ وغیرہ میں کچھ تکلیف ہو تو اسے ذوق شوق سے برداشت کرنا چاہئے، یہ نہیں کہ مار دھاڑ، ہول پکار، جیسا کہ اکثر لوگوں کی گرمی کے رمضان میں عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اتفاق سے سحر نہ کھائی گئی تو صبح ہی سے روزہ کا سوگ شروع ہو گیا۔ اسی طرح رات کی تراویح میں اگر دِقت ہو تو اس کو بڑی بشاشت سے برداشت کرنا چاہئے۔ اس کو مصیبت اور آفت نہ سمجھیں کہ یہ بڑی سخت محرومی کی بات ہے۔ ہم لوگ دنیوی معمولی اغراض کی بدولت کھانا پینا، راحت و آرام سب چھوڑ دیتے ہیں تو کیا رضائے الٰہی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت ہو سکتی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ یہ غم خواری کا مہینہ ہے، یعنی غرباء مساکین کے ساتھ مدارات کا برتاؤ

کرنا، اگر دس چیزیں اپنی افطاری کے لئے تیار کی ہیں تو دو چار غرباء کے لئے بھی کم از کم ہونی چاہئیں، ورنہ اصل تو یہ تھا کہ ان کے لئے اپنے سے افضل نہ ہوتا تو مساوات ہی ہوتی۔ غرض جس قدر بھی ہمت ہو سکے اپنے افطار وسحر کے کھانے میں غرباء کا حصہ بھی ضرور لگانا چاہئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اُمت کے لئے عملی نمونہ اور دین کے ہر جزو کو اس قدر واضح طور پر عمل فرما کر دکھلا گئے کہ اب ہر نیک کام کے لئے ان کی شاہراہِ عمل کھلی ہوئی ہے۔ ایثار وغم خواری کے باب میں ان حضرات کا اتباع بھی دل گردہ والے کا کام ہے، سینکڑوں، ہزاروں واقعات ہیں جن کو دیکھ کر بجز حیرت کے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ایک واقعہ مثالاً لکھتا ہوں، ابوجہم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں، میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کرنے چلا اور اس خیال سے پانی کا مشکیزہ بھی لے لیا کہ اگر اس میں کچھ رمق باقی ہوئی تو پانی پلا دوں گا اور ہاتھ منہ دھودوں گا۔ وہ اتفاق سے پڑے ہوئے ملے، میں نے اُن سے پانی کو پوچھا، انہوں نے اشارہ سے مانگا کہ اتنے میں برابر سے دوسرے زخمی نے آہ کی، چچازاد بھائی نے پانی پینے سے پہلے اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے پاس گیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پیاسے ہیں اور پانی مانگتے ہیں کہ اتنے میں ان کے پاس والے نے اشارہ کر دیا، انہوں نے بھی خود پانی پینے سے قبل اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، اتنے میں وہاں تک پہونچا تو اُن کی روح پرواز کر چکی تھی، واپس دوسرے صاحب کے پاس پہونچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، تو لوٹ کر چچازاد بھائی کے پاس آیا تو دیکھا کہ اُن کا بھی وصال ہو گیا۔ یہ ہیں تمہارے اسلاف کے ایثار کہ خود پیاسے جان دے دی اور اجنبی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا نہ کیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَاَرْضَاھُمْ وَرَزَقَنَا اتِّبَاعَھُمْ . آمین

رُوحُ البیان میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی مقاصد سے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میری امت میں ہر وقت پانسو برگزیدہ بندے اور چالیس ابدال رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں سے مرجاتا ہے فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے خصوصی اعمال کیا

ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے والوں سے درگزر کرتے ہیں اور بُرائی کا معاملہ کرنے والوں سے بھی احسان کا برتاؤ کرتے ہیں اور اللہ کے عطا فرمائے ہوئے رزق میں لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے نقل کیا ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شب باشی کی جگہ دے، حق تعالیٰ شانہ قیامت کے ہولوں سے اس کو پناہ دیتے ہیں۔

یحییٰ بُرمکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر ہر ماہ ایک ہزار درہم خرچ کرتے تھے تو حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سجدے میں اُن کے لئے دُعا کرتے تھے کہ یا اللہ! یحییٰ نے میری دنیا کی کفایت کی، تو اپنے لُطف سے اس کی آخرت کی کفایت فرما۔ جب یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے خواب میں اُن سے پوچھا کہ کیا گذری؟ انہوں نے کہا کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کی بدولت مغفرت ہوئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے روزہ افطار کرانے کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ ایک اور روایت میں آیا کہ جو شخص حلال کمائی سے رمضان میں روزہ افطار کرائے اس پر رمضان کی راتوں میں فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور شب قدر میں جبرئیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مُصافحہ کرتے ہیں (اس کی علامت یہ ہے کہ) اس کے دل میں رِقّت پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور محدّث ہیں، روزانہ پچاس۵۰ آدمیوں کے روزہ افطار کرانے کا اہتمام کرتے تھے (رُوح البیان)

اِفطار کی فضیلت ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ اس مہینہ کا اول حصّہ رحمت ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ کا انعام متوجہ ہوتا ہے اور یہ رحمتِ عامّہ سب مسلمانوں کے لئے ہوتی ہے، اس کے بعد جو لوگ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اُن کے لئے اس رحمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ" اور اس کے درمیانی حصّہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ روزوں کا کچھ حصّہ گزر چکا ہے، اس کا معاوضہ اور اکرام مغفرت کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور آخری حصّہ تو بالکل آگ سے خَلاصی ہے ہی۔

اور بھی بہت سی روایات میں ختم رمضان پر آگ سے خلاصی کی بشارتیں وارد ہوئی

ہیں۔ رمضان کے تین حصّے کئے گئے جیسا کہ مضمون بالا سے معلوم ہوا، بندۂ ناچیز کے خیال میں تین حصّے رحمت، مغفرت اور آگ سے خلاصی کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ آدمی تین طرح کے ہیں: ایک وہ لوگ جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں، اُن کے لئے شروع ہی سے رحمت اور انعام کی بارش شروع ہوجاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو معمولی گناہ گار ہیں اُن کے لئے کچھ حصّہ روزہ رکھنے کے بعد اُن روزوں کی برکت اور بدلہ میں مغفرت اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں اُن کے لئے زیادہ حصّہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہوتی ہے اور جن لوگوں کے لئے ابتدا ہی سے رحمت تھی اور اُن کے گناہ بخشے بخشائے تھے اُن کا تو پوچھنا ہی کیا کہ ان کے لئے رحمتوں کے کس قدر انبار ہوں گے۔ (و اللّٰہ اعلم و علمُہ اتمّ)

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک اور چیز کی طرف رغبت دلائی ہے کہ آقا لوگ اپنے ملازموں پر اس مہینہ میں تخفیف رکھیں۔ اس لئے کہ آخر وہ بھی روزہ دار ہیں، کام کی زیادتی سے ان کو روزہ میں دِقّت ہوگی، البتہ اگر کام زیادہ ہوتو اس میں مضائقہ نہیں کہ رمضان کے لئے ہنگامی ملازم ایک آدھ بڑھالے، مگر جب ہی کہ ملازم روزہ دار بھی ہو، ورنہ اس کے لئے رمضان بے رمضان برابر اور اس ظلم و بے غیرتی کا تو ذکر ہی کیا کہ خود روزہ خور ہوکر بے حیا منہ سے روزہ دار ملازموں سے کام لے اور نماز روزہ کی وجہ سے اگر تعمیل میں کچھ تساہُل ہوتو برسنے لگے "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"۝ (ترجمہ) اور عنقریب ظالم لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کیسی (مصیبت) کی جگہ لوٹ کر جائیں گے (مراد جہنّم ہے)۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے رمضانُ المبارک میں چار چیزوں کی کثرت کا حکم فرمایا: اول کلمۂ شہادت، احادیث میں اس کو افضلُ الذکر ارشاد فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ جل جلالہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا اللہ! تو مجھے کوئی ایسی دُعا بتلا دے کہ اس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں اور دُعا کیا کروں۔ وہاں سے "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه" ارشاد ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے عرض کیا کہ یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں میں تو کوئی دُعا یا ذکر مخصوص چاہتا ہوں۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے آباد کرنے والے میرے سوا یعنی ملائکہ اور ساتوں زمین ایک پلڑہ میں رکھ دیئے جاویں اور دوسرے میں کلمۂ طیّبہ رکھ دیا جاوے تو وہی جھک جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اخلاص سے اس کلمہ کو کہے آسمان کے دروازے اُس کے لئے فوراً کھل جاتے ہیں اور عرش تک پہنچنے میں کسی قسم کی روک نہیں ہوتی، بشرطیکہ کہنے والا کبائر سے بچے۔ عادتُ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ضرورتِ عامّہ کی چیز کو کثرت سے مرحمت فرماتے ہیں۔ دُنیا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام ہوتی ہے۔ مثلاً پانی ہے کہ عام ضرورت کی چیز ہے، حق تعالیٰ شانہ کی بے پایاں رحمت نے اس کو کس قدر عام کر رکھا ہے اور کیمیا جیسی لغو اور بیکار چیز کو عُنقا کر دیا۔ اسی طرح کلمۂ طیّبہ افضلُ الذکر ہے۔ متعدد احادیث سے اس کی تمام اذکار پر افضلیت معلوم ہوتی ہے۔ اس کو سب سے عام کر رکھا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے۔ پھر بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی بدبختی ہے۔ بالجملہ بہت سی احادیث اس کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن کو اختصاراً ترک کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز جس کی کثرت کرنے کو حدیثِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا وہ استغفار ہے۔ احادیث میں استغفار کی بھی بہت ہی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص استغفار کی کثرت رکھتا ہے حق تعالیٰ شانہ ہر تنگی میں اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم سے خلاصی نصیب فرماتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی گنہگار تو ہوتا ہی ہے۔ بہترین گنہگار وہ ہے جو توبہ کرتا رہے۔ ایک حدیث قریب آنے والی ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو ایک کالا نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ باقی رہتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دو چیزوں کے مانگنے کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر چارہ ہی نہیں: جنّت کا حصول، اور دوزخ سے امن۔ اللہ اپنے فضل سے مجھے بھی مرحمت فرمائے اور تمہیں بھی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُعْطِيَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ میری اُمت کو رمضان شریف کے

خِصَالٍ فِیْ رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ اُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِیْتَانُ حَتّٰی یُفْطِرُوْا، وَیُزَیِّنُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ یَوْمٍ جَنَّتَهٗ، ثُمَّ یَقُوْلُ: یُوْشِكُ عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ اَنْ یُّلْقُوْا عَنْهُمُ الْمَؤُنَةَ وَیَصِیْرُوْا اِلَیْكَ، وَتُصَفَّدُ فِیْهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ، فَلَا یَخْلُصُوْا فِیْهِ اِلٰی مَا كَانُوْا یَخْلُصُوْنَ اِلَیْهِ فِیْ غَیْرِهٖ، وَیُغْفَرُ لَهُمْ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ، قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَهِیَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفّٰی اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ. (رواه احمد والبزار والبیهقی، ورواه ابو الشیخ ابن حبان فی كتاب الثواب، الا ان عنده وتستغفرلهم الملائكة بدل الحیتان، كذا فی الترغیب)

بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں: (۱) یہ کہ اُن کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) یہ کہ ان کے لئے دریا کی مچھلیاں تک دُعا کرتی رہتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہے۔ (۳) جنّت ہر روز ان کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ پھر حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں۔ (۴) اس میں سرکش شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں اُن بُرائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیرِ رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔ (۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لئے مغفرت کی جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

ف: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں پانچ خصوصیتیں ارشاد فرمائی ہیں جو اس اُمت کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مخصوص انعام ہوئیں اور پہلی امت کے روزہ داروں کو مرحمت نہیں ہوئیں۔ کاش! ہمیں اس نعمت کی قدر ہوتی اور ان خصوصی عطایا کے حصول کی کوشش کرتے۔

اوّل یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو جو بھوک کی حالت میں ہوجاتی ہے حق تعالیٰ شانہ کے

نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ شُرّاحِ حدیث کے اس لفظ کے مطلب میں آٹھ قول ہیں جن کو مُوطّا[1] کی شرح میں بندہ مفصّل نقل کر چکا ہے۔ مگر بندہ کے نزدیک ان میں سے تین قول راجح ہیں: اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہ آخرت میں اس بدبو کا بدلہ اور ثواب خوشبو سے عطا فرمائیں گے جو مشک سے زیادہ عمدہ اور دماغ پرور ہوگی۔ یہ مطلب تو ظاہر ہے اور اس میں کچھ بُعد بھی نہیں۔ نیز دُرِّمَنثُور کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اس لئے یہ بمنزلہ متعیّن کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت میں جب قبروں سے اُٹھیں گے تو یہ علامت ہوگی کہ روزہ دار کے منہ سے ایک خوشبو جو مشک سے بھی بہتر ہوگی وہ آئے گی۔ تیسرا مطلب جو بندہ کی ناقص رائے میں ان دونوں سے اچھا ہے وہ یہ کہ دنیا ہی میں اللہ کے نزدیک اس بو کی قدر مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امر بابُ المحبّت سے ہے، جس کو کسی سے محبت وتعلّق ہوتا ہے اس کی بدبو بھی فریفتہ کے لئے ہزار خوشبوؤں سے بہتر ہوا کرتی ہے۔

اے حافظ مسکین چہ کنی مشکِ خُتن را از گیسوئے احمد بستان عطر عدن را

مقصود روزہ دار کا کمالِ تقرُّب ہے کہ بمنزلہ محبوب کے بن جاتا ہے۔ روزہ حق تعالیٰ شانہ کی محبوب ترین عبادتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ ہر نیک عمل کا بدلہ ملائکہ دیتے ہیں، مگر روزہ کا بدلہ میں خود عطا کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ خالص میرے لئے ہے۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ ''اُجزیٰ بِہٖ'' ہے۔ یعنی یہ کہ اس کے بدلے میں میں خود اپنے کو دیتا ہوں اور محبوب کے ملنے سے زیادہ اُونچا بدلہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ساری عبادتوں کا دروازہ روزہ ہے، یعنی روزہ کی وجہ سے قلب منوّر ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے ہر عبادت کی رغبت پیدا ہوتی ہے، مگر جب ہی کہ روزہ بھی روزہ ہو۔ صرف بھوکا رہنا مراد نہیں، بلکہ آداب کی رعایت رکھ کر جن کا بیان حدیث نمبر ۹ کے ذیل میں مفصّل آئے گا۔

اس جگہ ایک ضروری مسئلہ قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ اس منہ کی بدبو والی حدیثوں کی بناء پر

[1] مؤطا امام مالک کی عربی زبان میں بہترین شرح موصوف نے کی ہے جو ''اوجز المسالک'' کے نام سے مشہور ہے، چھ جلدوں میں ہے۔

بعض ائمہ روزہ دار کو شام کے وقت مسواک کرنے کو منع فرماتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک مسواک ہر وقت مستحب ہے۔ اس لئے کہ مسواک سے دانتوں کی بو زائل ہوتی ہے اور حدیث میں جس بو کا ذکر ہے وہ معدہ کے خالی ہونے کی ہے نہ کہ دانتوں کی۔ حنفیہ کے دلائل اپنے موقع پر کتبِ فقہ وحدیث میں موجود ہیں۔

دوسری خصوصیت مچھلیوں کے استغفار کرنے کی ہے۔ اس سے مقصود کثرت سے دُعا کرنے والوں کا بیان ہے۔ متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ میرے چچا جان[1] کا ارشاد ہے کہ مچھلیوں کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا ارشاد ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" (مریم:۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے حق تعالیٰ شانہ اُن کے لئے (دنیا ہی میں) محبوبیت فرمادیں گے۔ اور حدیثِ پاک میں ارشاد ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص پسند ہے تم بھی اس سے محبت کرو، وہ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر آواز دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا پسندیدہ ہے، تم سب اس سے محبت کرو۔ پس اس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین پر قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور عام قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص کی محبت اس کے پاس رہنے والوں کو ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت اتنی عام ہوتی ہے کہ آس پاس رہنے والوں ہی کو نہیں، بلکہ دریا کے رہنے والے جانوروں کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے کہ وہ بھی دعا کرتے ہیں اور گویا برّ سے متجاوز ہوکر بحر تک پہنچنا محبوبیت کی انتہا ہے۔ نیز جنگل کے جانوروں کا دُعا کرنا بطریقِ اولیٰ معلوم ہوگیا۔

تیسری خصوصیت جنّت کا مُزیّن ہونا ہے۔ یہ بھی بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سال کے شروع ہی سے رمضان کے لئے جنّت کو آراستہ کرنا شروع ہوجاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے آنے کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے اتنا

---

[1] یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔

ہی پہلے سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔ شادی کا اہتمام مہینوں پہلے سے کیا جاتا ہے۔

چوتھی خصوصیت سرکش شیاطین کا قید ہو جانا ہے کہ جس کی وجہ سے معاصی کا زور کم ہو جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت کے جوش اور عبادت کی کثرت کا مقتضٰی یہ تھا کہ شیاطین بہکانے میں بہت ہی اُن تھک کوشش کرتے اور ایڑی چوٹی کا زور ختم کر دیتے اور اس وجہ سے معاصی کی کثرت اس مہینہ میں اتنی ہو جاتی کہ حد سے زیادہ، لیکن باوجود اس کے یہ مشاہدہ ہے اور محقّق، کہ مجموعی طور سے گناہوں میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔ کتنے شرابی کبابی ایسے ہیں کہ رمضان میں خصوصیت سے نہیں پیتے اور اسی طرح اور گناہوں میں بھی کھلی کمی ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود گناہ ہوتے ضرور ہیں، مگر ان کے سرزد ہونے سے حدیثِ پاک میں تو کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس کا مضمون ہی یہ ہے کہ سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ اس بنا پر اگر وہ گناہ غیر سرکشوں کا اثر ہو تو کچھ خلجان نہیں، البتہ دوسری روایات میں سرکش کی قید کے بغیر مطلقاً شیاطین کے مقیّد ہونے کا ارشاد بھی موجود ہے۔ بس اگر ان روایات سے بھی سرکش شیاطین کا ہی قید ہونا مراد ہے کہ بسا اوقات لفظ مطلق بولا جاتا ہے مگر دوسری جگہ سے اس کی قیودات معلوم ہو جاتی ہیں تب بھی کوئی اشکال نہیں رہا۔ البتہ اگر ان روایات سے سب شیاطین کا محبوس ہونا مراد ہو تب بھی ان معاصی کے صادر ہونے سے کچھ خلجان نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اگرچہ معاصی عموماً شیاطین کے اثر سے ہوتے ہیں، مگر سال بھر تک اُن کے تلبُّس اور اختلاط اور زہریلے اثر کے جماؤ کی وجہ سے نفس ان کے ساتھ اس درجہ مانوس اور متاثر ہو جاتا ہے کہ تھوڑی بہت غیبت محسوس نہیں ہوتی، بلکہ وہی خیالات اپنی طبیعت بن جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بغیر رمضان کے جن لوگوں سے گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں، رمضان میں بھی انہیں سے زیادہ تر صُدور ہوتا ہے اور آدمی کا نفس چونکہ ساتھ رہتا ہے اسی لئے اس کا اثر ہے۔

دوسری بات ایک اور بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے قلب میں ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ سچّی توبہ کر لیتا ہے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے، اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ اُسکا

قلب بالکل سیاہ ہوجاتا ہے، پھر خیر کی بات اُس کے قلب تک نہیں پہنچتی۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں "كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" (التطفیف: ۱٤) سے ارشاد فرمایا ہے کہ اُن کے قلوب زنگ آلود ہو گئے۔ ایسی صورت میں وہ قلوب ان گناہوں کی طرف خود متوجہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک نوع کے گناہ کو بے تکلف کر لیتے ہیں، لیکن اسی جیسا جب کوئی دوسرا گناہ سامنے ہوتا ہے تو قلب کو اُس سے انکار ہوتا ہے۔ مثلاً جو لوگ شراب پیتے ہیں اُن کو اگر سور کھانے کو کہا جائے تو اُن کی طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، حالانکہ معصیت میں دونوں برابر ہیں۔ تو اسی طرح جبکہ غیر رمضان میں وہ اُن گناہوں کو کرتے رہتے ہیں تو دل اُن کیساتھ رنگے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رمضانُ المبارک میں بھی اُن کے سرزد ہونے کے لئے شیاطین کی ضرورت نہیں رہتی۔ بالجملہ اگر حدیثِ پاک سے سب شیاطین کا مقیّد ہو جانا مراد ہے تب بھی رمضانُ المبارک میں گناہوں کے سرزد ہونے سے کچھ اشکال نہیں، اور اگر مُتَمرِّد اور خبیث شیاطین کا مقید ہونا مراد ہو تب تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں، اور بندہ ناچیز کے نزدیک یہی توجیہ اولیٰ ہے اور ہر شخص اس کو غور کرسکتا ہے اور تجربہ کرسکتا ہے کہ رمضانُ المبارک میں نیکی کرنے کے لئے یا کسی معصیت سے بچنے کے لئے اتنے زور لگانے نہیں پڑتے جتنے کہ غیر رمضان میں پڑتے ہیں۔ تھوڑی سی ہمت اور توجہ کافی ہوجاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہیں یعنی فُسّاق کے حق میں صرف متکبر شیاطین قید ہوتے ہیں اور صلحاء کے حق میں مطلقاً ہر قسم کے شیاطین محبوس ہوجاتے ہیں۔

پانچویں خصوصیّت یہ ہے کہ رمضانُ المبارک کی آخری رات میں سب روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ یہ مضمون پہلی روایت میں بھی گذر چکا ہے، چونکہ رمضانُ المبارک کی راتوں میں شبِ قدر سب سے افضل رات ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال فرمایا کہ اتنی بڑی فضیلت اسی رات کے لئے ہوسکتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے فضائل مستقل علیحدہ چیز ہے۔ یہ انعام تو ختمِ رمضان کا ہے۔

(۴) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقٰى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ، قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَاكُنَّا نَسْمَعُهُ، قَالَ: اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ، فَقَالَ بَعُدَ[1] مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، قُلْتُ: اٰمِيْن. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ، قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ، قَالَ: بَعُدَمَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ عِنْدَهُ اَوْاَحَدَهُمَا، فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ. رواه الحاكم وقال: صحيح الاسناد، كذا في الترغيب، وقال السخاوي رواه ابن حبان في ثقاته وصححه والطبراني في الكبير والبخاري في برالوالدين له، والبيهقي في الشعب وغير هم ورجاله ثقات و بسط طرقه، وروى الترمذي عن ابي هريرة بمعناه، وقال ابن حجر: طرقه كثيرة كما في المرقاة)

کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ۔ ہم لوگ حاضر ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب دوسرے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین۔ جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اُترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے۔ (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا، پھر بھی اُس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین۔ پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اُس کے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اُس کو جنّت میں داخل نہ کرائیں۔ میں نے کہا: آمین۔

[1] بَعُدَ بضمّ العين اى عن الخير وبكسرها اى هلك قاله السخاوي۔

ف: اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بد دُعائیں دی ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اول تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بددُعا ہی کیا کم تھی اور پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے تو جتنی سخت بددُعا بنادی وہ ظاہر ہے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں ورنہ ہلاکت میں کیا تردد ہے۔ دُرِّ منثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آمین کہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آمین، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اول وہ شخص کہ جس پر رمضان المبارک گزر جائے اور اُس کی بخشش نہ ہو، یعنی رمضان المبارک جیسا خیر و برکت کا زمانہ بھی غفلت اور معاصی میں گزر جائے کہ رمضانُ المبارک میں مغفرت اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے۔ پس جس شخص پر رمضان المبارک کا مہینہ بھی اسی طرح گذر جائے کہ اُس کی بد اعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے تو اُس کی مغفرت کے لئے کونسا وقت ہوگا اور اُس کی ہلاکت میں کیا تأمُّل ہے، اور مغفرت کی صورت یہ ہے کہ رمضانُ المبارک کے جو کام ہیں یعنی روزہ و تراویح، اُن کو نہایت اہتمام سے ادا کرنے کے بعد ہر وقت کثرت کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔

دوسرا شخص جس کے لئے بددُعا کی گئی وہ ہے جس کے سامنے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک جب بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہو تو سننے والوں پر درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیثِ بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں اُس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو اور وہ درود نہ بھیجے۔ بعض احادیث میں اُس کو شقی اور بخیل تر لوگوں میں شمار کیا گیا ہے۔ نیز جفا کار اور جنّت کا راستہ بھولنے والا حتی کہ جہنّم میں داخل ہونے والا اور بد دین تک فرمایا ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک نہ دیکھے گا۔ محققین علماء نے ایسی روایات کی تاویل فرمائی ہو

مگر اُس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ درود شریف نہ پڑھنے والے کے لئے آپ ﷺ کے ظاہر ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ اُن کا تحمّل دشوار ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کے احسانات اُمت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تحریر وتقریر ان کا احصاء کر سکے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے حقوق اُمت پر اس قدر زیادہ ہیں کہ اُن کو دیکھتے ہوئے درود شریف نہ پڑھنے والوں کے حق میں ہر وعید اور تنبیہ بجا اور موزوں معلوم ہوتی ہے، خود درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ اُن سے محرومی مستقل بد نصیبی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے حق تعالیٰ شانہ اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔ نیز ملائکہ کا اس کے لئے دُعا کرنا گناہوں کا معاف ہونا، درجات کا بلند ہونا، احد پہاڑ کے برابر ثواب کا ملنا، شفاعت کا اس کے لئے واجب ہونا وغیرہ وغیرہ امور مزید برآں۔ نیز اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا، اس کی رحمت، اُس کے غصہ سے امان، قیامت کے ہول سے نجات، مرنے سے قبل جنّت میں اپنے ٹھکانے کا دیکھ لینا وغیرہ، بہت سے وعدے درود شریف کی خاص خاص مقداروں پر مقرر فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کے علاوہ درود شریف سے تنگیِ معیشت اور فقر دور ہوتا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کے دربار میں تقرّب نصیب ہوتا ہے۔ دشمنوں پر مدد نصیب ہوتی ہے اور قلب کی، نفاق اور زنگ سے صفائی ہوتی ہے۔ لوگوں کو اُس سے محبّت ہوتی ہے اور بہت سی بشارتیں ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بھر میں درود شریف پڑھنا عملاً فرض ہے اس پر علماءِ مذہب کا اتفاق ہے، البتہ اس میں اِختلاف ہے جب نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں، بعض علماء کے نزدیک ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک مستحب۔

تیسرے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ اُن کی اس قدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنّت کا مستحق ہو جائے۔ والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔ علماء نے ان کے حقوق میں لکھا ہے کہ مباح امور میں اُن کی اطاعت ضروری ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اُن کی بے ادبی نہ کرے،

تکبّر سے پیش نہ آئے اگر چہ وہ مشرک ہوں، اپنی آواز کو اُن کی آواز سے اُونچی نہ کرے، اُن کا نام لے کر نہ پکارے، کسی کام میں اُن سے پیش قدمی نہ کرے، اَمر بالمَعرُوف اور نَہی عَنِ الْمُنکَر میں نرمی کرے۔ اگر قبول نہ کریں تو سلوک کرتا رہے اور ہدایت کی دُعا کرتا رہے۔ غرض ہر بات میں اُن کا بہت اِحترام ملحوظ رکھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جنّت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ باپ ہے، تیرا جی چاہے اُس کی حفاظت کر یا اُس کو ضائع کردے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ والدین کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تیری جنّت ہیں یا جہنّم، یعنی ان کی رضا جنّت ہے اور ناراضگی جہنّم ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مطیع بیٹے کی محبت اور شفقت سے ایک نگاہ والد کی طرف ایک مقبول حج کا ثواب رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس قدر دل چاہے اللہ معاف فرما دیتے ہیں، مگر والدین کی نافرمانی کا مرنے سے قبل دنیا میں بھی وبال پہنچاتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کا ارادہ کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کی خدمت کر کہ ان کے قدموں کے نیچے تیرے لئے جنّت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

اور بھی بہت سی روایات میں اس کا اہتمام اور فضل وارد ہوا ہے۔ جو لوگ کسی غفلت سے اس میں کوتاہی کر چکے ہیں اور اب اُن کے والدین موجود نہیں، شریعتِ مُطہّرہ میں اس کی تلافی بھی موجود ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے والدین اس حالت میں مر گئے ہوں کہ وہ ان کی نافرمانی کرتا ہو تو اُن کے لئے کثرت سے دعا اور استغفار کرنے سے مُطیع شمار ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بہترین بھلائی باپ کے بعد اس کے ملنے والوں سے حُسنِ سُلوک ہے۔

(۴) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمًا وَّحَضَرَنَا

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضانُ المبارک کے قریب

رَمَضَانُ اَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ يَغْشَاكُمُ اللّٰهُ فِيهِ، فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ، وَيَحُطُّ الْخَطَايَا، وَيَسْتَجِيبُ فِيهِ الدُّعَاءَ، يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى تَنَافُسِكُمْ فِيهِ وَيُبَاهِيْ بِكُمْ مَلٰٓئِكَتَهُ، فَأَرُوا اللّٰهَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَاِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواه الطبراني ورواته ثقات، الا ان محمد بن قيس لايحضرني فيه جرح ولا تعديل، كذا في الترغيب)

ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے جو بڑی برکت والا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس میں تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی رحمتِ خاصّہ نازل فرماتے ہیں، خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں، دُعاؤں کو قبول کرتے ہیں، تمہارے تنافس کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ سے فخر کرتے ہیں۔ پس اللہ کو اپنی نیکی دکھلاؤ۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے۔

ف: تنافس اُس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی حرص میں کام کیا جائے اور مقابلہ پر دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کیا جاوے، تفاخر اور تقابل والے آویں اور یہاں اپنے اپنے جوہر دکھلاویں۔ فخر کی بات نہیں، تحدیث بالنعمہ کے طور پر لکھتا ہوں، اپنی نااہلیت سے خود اگرچہ کچھ نہیں کرسکتا، مگر اپنے گھرانہ کی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اکثروں کو اس کا اہتمام رہتا ہے کہ دوسری سے تلاوت میں بڑھ جاوے۔ خانگی کاروبار کے ساتھ پندرہ بیس پارے روزانہ بے تکلف پورے کر لیتی ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت سے قبول فرماویں اور زیادتی کی توفیق عطا فرماویں۔

(۵) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عُتَقَآءَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، يَعْنِيْ فِيْ رَمَضَانَ وَاِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً. (رواه البزار كذا في الترغيب)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضانُ المبارک کی ہر شب و روز میں اللہ کے یہاں سے (جہنّم کے) قیدی چھوڑے جاتے ہیں، اور ہر مسلمان کے لئے ہر شب و روز میں ایک دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

ف: بہت سی روایات میں روزے دار کی دُعا قبول ہونا وارد ہوا ہے۔ بعض روایات

میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے، مگر ہم لوگ اس وقت کھانے پر اس طرح گرتے ہیں کہ دُعا مانگنے کی کہاں فرصت، خود افطار کی دُعا بھی یاد نہیں رہتی۔ افطار کی مشہور دُعا یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ"
(ترجمہ) اے اللہ! تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھ ہی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ ہے، تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔

حدیث کی کتابوں میں یہ دُعا مختصر ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عَمرو بنِ عاص رضی اللہ عنہما افطار کے وقت یہ دُعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ." (ترجمہ) اے اللہ! تیری اس رحمت کے صدقے جو ہر چیز کو شامل ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرمادے۔ بعض کتب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دُعا منقول ہے "يَاوَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْلِیْ" (ترجمہ) اے وسیع عطا والے! میری مغفرت فرما۔ اور بھی متعدد دُعائیں روایات میں وارد ہوئی ہیں، مگر کسی دُعا کی تخصیص نہیں، اِجابتِ دُعا کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دُعا فرماویں۔ یاد آجاوے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے۔

چشمِ فیض سے گر ایک اشارہ ہو جائے لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَاتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ، وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ، يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَيُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِیْ! لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ. (رواه احمد فی حديث والترمذی و

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کی دُعا رد نہیں ہوتی: ایک روزہ دار کی افطار کے وقت، دوسرے عادل بادشاہ کی دُعا، تیسرے مظلوم کی جسے حق تعالیٰ شانہٗ بادلوں سے اُوپر اُٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اُس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری

حسنہ، وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحیہما، کذا فی الترغیب) ضرور مدد کرونگا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہوجائے۔

ف: دُرِمنثور میں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے نقل کیا ہے کہ جب رمضان آتا تھا تو نبیِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہوجاتا تھا اور دُعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف غالب ہوجاتا تھا۔ دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ رمضان کے ختم تک بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان میں عرش کے اُٹھانے والے فرشتوں کو حکم فرمادیتے ہیں کہ اپنی اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ داروں کی دُعا پر آمین کہا کرو۔ بہت سی روایات سے رمضان کی دُعا کا خصوصیّت سے قبول ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بے تردُّد بات ہے کہ جب اللہ کا وعدہ ہے اور سچے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا نقل کیا ہوا ہے تو اُس کے پورا ہونے میں کچھ تردد نہیں لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ کسی غرض کے لئے دُعا کرتے ہیں مگر وہ کام نہیں ہوتا تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دُعا قبول نہیں ہوئی بلکہ دُعا کے قبول ہونے کے معنی سمجھ لینا چاہئے۔

نبیِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ جب مسلمان دُعا کرتا ہے بشرطیکہ قطعِ رحمی یا کسی گناہ کی دُعا نہ کرے تو حق تعالیٰ شانہ کے یہاں سے تین چیزوں میں سے اُسے ایک چیز ضرور ملتی ہے: یا خود وہی چیز ملتی ہے جس کی دُعا کی، یا اُس کے بدلہ میں کوئی بُرائی یا مصیبت اُس سے ہٹادی جاتی ہے، یا آخرت میں اُسی قدر ثواب اُس کے حصّہ میں لگادیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ بندہ کو بُلا کر ارشاد فرمائیں گے کہ اے میرے بندے میں نے تجھے دُعا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے دُعا مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا کہ مانگی تھی۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ تو نے کوئی دُعا ایسی نہیں کی جس کو میں نے قبول نہ کیا ہو، تو نے فلاں دُعا مانگی تھی کہ فلاں تکلیف ہٹادی جائے، میں نے اُس کو دنیا میں پورا کردیا تھا۔ اور فلاں غم کو دفع ہونے کے لئے دُعا کی تھی، مگر اس کا اثر کچھ تجھے معلوم نہیں ہوا، میں نے اُس کے بدلہ میں فلاں اجر و ثواب تیرے لئے متعیّن کیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارشاد

فرماتے ہیں کہ اُس کو ہر ہر دُعا یاد کرائی جائے گی اور اُس کا دنیا میں پورا ہونا یا آخرت میں اُس کا عوض بتلایا جاوے گا۔ اس اجر وثواب کی کثرت کو دیکھ کر وہ بندہ اس کی تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں اُس کی کوئی دُعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی کہ یہاں اس کا اس قدر اجر ملتا۔ غرض دُعا نہایت ہی اہم چیز ہے۔ اُسکی طرف سے غفلت بڑے سخت نقصان اور خسارہ کی بات ہے اور ظاہر میں اگر قبول کے آثار نہ دیکھیں تو بددل نہ ہونا چاہئے۔

اس رسالہ کے ختم پر جو لمبی حدیث آرہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی حق تعالیٰ شانہ بندہ ہی کے مصالح پر نظر فرماتے ہیں۔ اگر اس کے لئے اس چیز کا عطا فرمانا مصلحت ہوتا ہے تو مرحمت فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات اپنی نافہمی سے ایسی چیز مانگتے ہیں جو ہمارے مناسب نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ دوسری ضروری اور اہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ بہت سے مرد اور عورتیں تو خاص طور سے اس مرض میں مبتلا ہیں کہ بسا اوقات غصے اور رنج میں اولاد وغیرہ کو بددُعا دیتے ہیں۔ یادرکھیں کہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کے عالی دربار میں بعض اوقات ایسے خاص قبولیت کے ہوتے ہیں کہ جو مانگو مل جاتا ہے۔ یہ احمق غصہ میں اول تو اولاد کو کوستی ہیں اور جب وہ مرجاتی ہے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوجاتی ہے تو پھر روتی پھرتی ہیں اور اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ یہ مصیبت خود ہی اپنی بددُعا سے مانگی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی جانوں اور اولاد کو نیز مال اور خادموں کو بددُعا نہ دیا کرو، مبادا اللہ کے کسی ایسے خاص وقت میں واقع ہوجائے جو قبولیت کا ہے، بالخصوص رمضانُ المبارک کا تمام مہینہ تو بہت ہی خاص وقت ہے، اس میں اہتمام سے بچنے کی کوشش اشد ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اللہ کو یاد کرنے والا شخص بخشا بخشایا ہے اور اللہ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ترغیب میں نقل کیا ہے کہ رمضان کی

ہر رات میں ایک منادی پُکارتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے! متوجہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے بُرائی کے طلبگار! بس کر اور آنکھیں کھول۔ اس کے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے کہ کوئی مغفرت کا چاہنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے، کوئی توبہ کرنیوالا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے، کوئی دُعا کرنے والا ہے کہ اسکی دعا قبول کی جائے، کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اس سب کے بعد یہ امر بھی نہایت ضروری اور قابلِ لحاظ ہے کہ دُعا کے قبول ہونے کے لئے کچھ شرائط بھی وارد ہوئی ہیں کہ ان کے فوت ہونے سے بسا اوقات دُعا رد کر دی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے حرام غذا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی دُعا رد ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال آسمان کی طرف ہاتھ کھینچ کر دُعا مانگتے ہیں اور یا رَبّ یا رَبّ کرتے ہیں مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ایسی حالت میں کہاں دُعا قبول ہو سکتی ہے۔

مؤرّخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مُستجاب الدُعاء لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم ان پر مسلّط ہوتا، اس کے لئے بد دعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا۔ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلّط ہوا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بد دُعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہمارے زمانہ کی حلال روزی پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے جہاں ہر وقت سود تک کے جواز کی کوششیں جاری ہوں۔ ملازمین رشوت کو اور تاجر دھوکہ دینے کو بہتر سمجھتے ہوں۔

(۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ. (رواه الطبراني في الاوسط وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

ف: کس قدر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا انعام و احسان ہے کہ روزہ کی برکت سے اس سے پہلے کھانے کو جس کو سحری کہتے ہیں اُمت کے لئے ثواب کی چیز بنا دیا اور اس میں بھی مسلمانوں

کو اجر دیا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث میں سحر کھانے کی فضیلت اور اجر کا ذکر ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے سترہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسکی فضیلت کی احادیث نقل کی ہیں اور اس کے مستحب ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ بہت سے لوگ کاہلی کی وجہ سے اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض لوگ تراویح پڑھ کر کھانا کھا کر سو جاتے ہیں اور وہ اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ لغت میں سحر اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح کے قریب کھایا جائے جیسا کہ قاموس میں لکھا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آدھی رات سے اس کا وقت شروع ہو جاتا ہے[1]۔ صاحب کشاف رحمۃ اللہ علیہ نے اخیر کے چھٹے حصہ کو بتلایا ہے یعنی تمام رات کو چھ حصوں پر تقسیم کر کے اخیر کا حصہ، مثلاً اگر غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک بارہ گھنٹے ہوں تو اخیر کے دو گھنٹے سحر کا وقت ہے اور ان میں بھی تاخیر اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ روزہ میں شک ہونے لگے۔ سحر کی فضیلت بہت سی احادیث میں آئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزہ میں سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین چیزوں میں برکت ہے: جماعت میں، ثرید میں، اور سحری کھانے میں۔ اس حدیث میں جماعت سے عام مراد ہے نماز کی جماعت اور ہر وہ کام جس کو مسلمانوں کی جماعت مل کر کرے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ فرمائی گئی ہے، اور ثرید گوشت میں پکی ہوئی روٹی کہلاتی ہے جو نہایت لذیذ کھانا ہوتا ہے، تیسرے سحری۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو اپنے ساتھ سحر کھلانے کے لئے بلاتے تو ارشاد فرماتے کہ آؤ! برکت کا کھانا کھالو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سحری کھا کر روزہ پر قوت حاصل کرو، اور دوپہر کو سو کر اخیر شب کے اُٹھنے پر مدد چاہا کرو۔

حضرت عبداللہ بن حارث ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سحری نوش فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک برکت کی چیز ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہے اس کو مت چھوڑنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد

[1] مرقاۃ

روایات میں سُحور کی ترغیب فرمائی ہے حتی کہ ارشاد ہے کہ اور کچھ نہ ہو تو ایک چھوہارہ ہی کھالے یا ایک گھونٹ پانی ہی پی لے۔ اس لئے روزہ داروں کو اس ہم خرما وہم ثواب کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی راحت اپنا نفع اور مفت کا ثواب۔ مگر اتنا ضروری ہے کہ اِفراط وتَفریط ہر چیز میں مضر ہے اس لئے نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادت میں ضعف محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ دن بھر کھٹی ڈکاریں آتی رہیں۔ خود ان احادیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاہے ایک چھوارہ ہو یا ایک گھونٹ پانی۔ نیز مستقل احادیث میں بھی بہت کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ سحری کی برکات مختلف وجوہ سے ہیں، اتباعِ سنت، اہلِ کتاب کی مخالفت کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم لوگ حتی الوسع ان کی مخالفت کے مامور ہیں۔

نیز عبادت پر قوت، عبادت میں دل بستگی کی زیادتی، نیز شدتِ بھوک سے اکثر بد خلقی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کی مدافعت، اس وقت کوئی ضرورت مند سائل آجائے تو اس کی اعانت، کوئی پڑوس میں غریب فقیر ہو اس کی مدد، یہ وقت خصوصیت سے قبولیتِ دُعا کا ہے، سحری کی بدولت دُعا کی توفیق ہوجاتی ہے، اس وقت میں ذکر کی توفیق ہوجاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابن دَقیقُ العید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صوفیاء کو سحور کے مسئلہ میں کلام ہے کہ وہ مقصدِ روزہ کے خلاف ہے اس لئے کہ مقصدِ روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا توڑنا ہے اور سحری کھانا اس مقصد کے خلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مقدار میں اتنا کھانا کہ یہ مصلحت بالکلیہ فوت ہوجائے، یہ تو بہتر نہیں، اس کے علاوہ حسبِ حیثیت وضرورت مختلف ہوتا رہتا ہے، بندہ کے ناقص خیال میں اس بارے میں قولِ فیصل بھی یہی ہے کہ اصل سحور وافطار میں تقلیل ہے، مگر حسبِ ضرورت اس میں تغیّر ہوجاتا ہے، مثلاً طلباء کی جماعت کہ ان کے لئے تقلیلِ طعام منافعِ صوم کے حاصل ہونے کے ساتھ تحصیلِ علم کی مَضرت کو شامل ہے، اس لئے ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ تقلیل نہ کریں کہ علمِ دین کی اہمیّت شریعت میں بہت زیادہ ہے، اسی طرح ذاکرین کی جماعت۔ علیٰ ہٰذا دوسری جماعتیں جو تقلیلِ طعام کی وجہ سے کسی دینی کام میں اہمیّت کے ساتھ مشغول نہ ہوسکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جہاد کو تشریف لے جاتے ہوئے اعلان

فرمادیا کہ سفر میں روزہ نیکی نہیں، حالانکہ رمضانُ المبارک کا روزہ تھا مگر اس جگہ جہاد کا تقابل آ پڑا تھا۔ البتہ جس جگہ کسی ایسے دینی کام میں جو روزے سے زیادہ اہم ہو ضعف اور کسل پیدا نہ ہو وہاں تقلیلِ طعام ہی مناسب ہے۔ شرح اِقناع میں علاّمہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ہم سے اس پر عہد لئے گئے کہ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائیں، بالخصوص رمضانُ المبارک کی راتوں میں۔ بہتر یہ ہے کہ رمضان کے کھانے میں غیر رمضان سے کچھ تقلیل کرے اس لئے کہ افطار وسحر میں جو شخص پیٹ بھر کر کھائے اُس کا روزہ ہی کیا ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھوکا رہے آئندہ رمضان تک تمام سال شیطان کے زور سے محفوظ رہتا ہے اور بھی بہت سے مشائخ سے اس باب میں شدت منقول ہے۔

شرح اِحیاء میں عوارف سے نقل کیا ہے کہ سہل بن عبداللہ تُستری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے تھے اور رمضانُ المبارک میں ایک لقمہ، البتہ روزانہ اتباعِ سنت کی وجہ سے محض پانی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ روزہ رکھتے لیکن (اللہ والے) دوستوں میں سے کوئی آتا تو اس کی وجہ سے روزہ افطار فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ (ایسے) دوستوں کے ساتھ کھانے کی فضیلت کچھ روزہ کی فضیلت سے کم نہیں۔ اور بھی سَلَف کے ہزاروں واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کھانے کی کمی کے ساتھ نفس کی تادیب کرتے تھے، مگر شرط وہی ہے کہ اس کی وجہ سے اور دینی اہم امور میں نقصان نہ ہو۔

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ. (رواه ابن ماجه واللفظ له والنسائي وابن خزيمة في صحيحه، والحاكم وقال على شرط البخاري، ذكر لفظهما المنذري في الترغيب بمعناه)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ اُن کو روزہ کے ثمرات میں بجز بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ اُن کو رات کے جاگنے (کی مشقت) کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

ف: علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اقوال ہیں: اول یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے۔ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہوگیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے، لیکن غیبت میں بھی مبتلا رہتا ہے۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات جامع ہوتے ہیں، یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی، مگر تفریحاً تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہوگیا۔ مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا اور شہرت کے لئے جاگا تو وہ بیکار ہے۔

(۹) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ مَالَمْ یَخْرُقْهَا. (رواه النسائی وابن ماجة وابن خزیمة والحاکم وصححه علی شرط البخاری، والفاظهم مختلفة حکاها المنذری فی الترغیب)

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے جب تک اُس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

ف: ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنّم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسولَ اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدد روایات میں روزہ میں اس قسم کے اُمور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض علماء

کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں۔ جمہور کے نزدیک اگر چہ روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر روزہ کے برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ مشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ اُمور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے: اوّل نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے حتی کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے، پھر اجنبی کا کیا ذکر اور اسی طرح کسی لہو ولعب وغیرہ ناجائز جگہ نہ پڑے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے حق تعالیٰ جَلّ شانُہٗ اس کو ایسا نورِ ایمانی نصیب فرماتے ہیں جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔ صوفیاء نے بے محل کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے جو دل کو حق تعالیٰ شانہ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ کر دے۔ دوسری چیز زبان کی حفاظت ہے۔ جھوٹ، چغل خوری، لغو، بکواس، غیبت، بدگوئی، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ روزہ آدمی کے لئے ڈھال ہے اس لئے روزہ دار کو چاہئے کہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر جھگڑا وغیرہ نہ کرے۔ اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے، یعنی دوسرے کی ابتدا کرنے پر بھی اس سے نہ اُلجھے۔ اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بیوقوف ناسمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے، تجھے ایسی لغویات کا جواب مناسب نہیں، بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو عورتوں نے روزہ رکھا۔ روزہ میں اس شدت سے بھوک لگی کہ ناقابلِ برداشت بن گئی، ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔ لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔

اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مُتَرَشّح ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متّقی لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق لوگوں کی اکثر بُری حالت ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں۔ بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مشغلہ تجویز کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقۃً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے، معلوم ہوا کہ اُن کی غیبت کی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں، عوام کا ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیادار کہلاتے ہیں دین داروں کی مجالس بھی بالعموم اس سے کم خالی ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا بھی پیدا ہو تو اس پر اظہارِ واقعہ کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا غیبت کیا چیز ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کی پسِ پشت ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعۃً وہ بات موجود ہو جو کہی گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہی تو غیبت ہے۔ اگر واقعۃً موجود نہ ہو تب تو بُہتان ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں سے گذر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے۔ ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، دوسرے کو پیشاب

سے احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کے ستّر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ مُعتد بہ روایات جمع کروں اس لئے کہ ہماری مجلسیں اس سے بہت ہی زیادہ پُر رہتی ہیں مگر مضمون دوسرا ہے اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا سے محفوظ فرمائیں اور بزرگوں اور دوستوں کی دُعا سے مجھ سیہ کار کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی امراض میں کثرت سے مبتلا ہوں۔

کبر و نخوت، جہل و غفلت، حقد و کینہ بدظنی کذب و بدعہدی، ریاء و بغض و غیبت دشمنی
کون بیماری ہے یارب جو نہیں مجھ میں ہوئی عَافِنِيْ مِنْ كُلِّ دَاءٍ وَّاقْضِ عَنِّيْ حَاجَتِيْ
اِنَّ لِيْ قَلْبًا سَقِيْمًا اَنْتَ شَافٍ لِّلْعَلِيْلِ

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔ چوتھی چیز باقی اعضاءِ بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاءِ بدن کا۔ اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مُشتبہ چیز سے محفوظ رکھنا، جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرتا ہے اُس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کے لئے دوا کرتا ہے، مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لئے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی، مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز افطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شکم سیر ہو جائے اس لئے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور مَلَکیہ کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینہ تک بہت کچھ کھایا ہے، اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان نکل جاتی ہے؟ مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ افطار

کے وقت تلافیٔ مَافَات میں سحر کے وقت حفظ ماتقدّم میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ رمضانُ المبارک بھی ہم لوگوں کے لئے خَوِید کا کام دیتا ہے۔ علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہرِ ابلیس اور شہوتِ نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کر لے جو فوت ہوئی۔ حقیقۃً ہم لوگ بجز اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے، بلکہ اور زیادتی مختلف انواع کی کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسّر نہیں ہوتی۔ لوگوں کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لئے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور اس کے مشروع ہونے سے مختلف منافع مقصود ہیں، وہ سب جب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا نفع تو یہی ہے جو معلوم ہو چکا، یعنی شہوتوں کا توڑنا یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گذرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے، جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں۔ دوسری غرض روزہ سے فقراء کے ساتھ تشبُّہ اور ان کے حال پر نظر ہے۔ وہ بھی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب سحر میں معدہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھر لے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے۔ فقراء کے ساتھ مشابہت جب ہی ہو سکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بے تابی کا بھی گذرے۔ بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے؟ فرمایا کہ فقراء بہت ہیں اور مجھ میں اُن کی ہمدردی کی طاقت نہیں، اتنی ہمدردی کرلوں کہ میں بھی ان جیسا ہو جاؤں۔

مشائخ صوفیاء نے عامۃً اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فقہاء نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ صاحب مراقی الفلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سحور میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ متنعّم لوگوں کی عادت ہے کہ یہ غرض کو فوت کر دیتا ہے۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ ہے کہ بھوک کی تلخی کچھ محسوس ہوتا کہ زیادتیٔ ثواب کا سبب ہو اور مساکین وفقراء پر ترس آسکے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں جتنا کہ پیٹ کا پُر ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لئے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لئے رکھے اور ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز تک مسلسل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کو پورے رمضانُ المبارک دیکھا ہے کہ افطار و سحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی۔ دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر و افطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مخلص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر[1] صاحب (نوراللہ مرقدہ) نے لجاجت سے عرض کیا کہ ضعف بہت ہو جائے گا، حضرت کچھ تناول ہی نہیں فرماتے تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنّت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سیہ کاروں کو بھی ان پاک ہستیوں کا اتباع نصیب فرماویں تو زہے نصیب، مولانا سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ندارند تن پروراں آگہی　　　که پُر معده باشد ز حکمت تہی

[1] حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ رائپور ہی قیام رہتا ہے، اپنے شیخ کے قدم بقدم متبع ہیں، جو لوگ رائے پوری دربار سے محروم رہ گئے مولانا کے وجود کو غنیمت سمجھیں کہ ہر جانے والا اپنی نظیر نہیں چھوڑتا۔ (اب حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ جمعرات کو وصال ہو گیا)۔

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نامعلوم یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش جس کی طرف اِلتفات بھی نہیں ہوتا ایسی تو نہیں ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اولین وہلہ میں فیصلہ ہوگا (ان کے) منجملہ ایک شہید ہوگا جس کو بُلایا جائے گا اور اللہ کے جو جو انعام دنیا میں اُس پر ہوئے تھے وہ اس کو جتائے جائیں گے۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کریگا، اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادائیگی کی؟ وہ عرض کرے گا کہ تیرے راستہ میں قِتال کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، بلکہ قِتال اس لئے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بَل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا، اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات جتلا کر پوچھا جائیگا کہ ان انعامات کے بدلے میں کیا کارگذاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کی خاطر تلاوت کی۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ علاّمہ کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک دولت مند بلایا جائے گا، اس سے انعاماتِ الٰہی شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں میں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنّم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیّتی کے ثمرات ہیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں اس لئے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف بھی رہنا چاہئے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں۔ مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابلِ قبول نہ سمجھنا امرِ آخر، اور کریم آقا کے لطف پر نگاہ امرِ آخر ہے، اس کے لطف

کے انداز بالکل نرالے ہیں۔ معصیت پر بھی کبھی ثواب دیدیتے ہیں تو پھر کوتاہیٔ عمل کا کیا ذکر۔

خوبیٔ ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست بسیار شیوہا است بتاں را کہ نام نیست

یہ چھ چیزیں عام صلحاء کے لئے ضروری بتلائی جاتی ہیں۔ خواص اور مُقرّبین کے لئے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ دل کو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجہ نہ ہونے دے، حتیٰ کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال اور تدبیر کہ افطار کے لئے کوئی چیز ہے یا نہیں یہ بھی خطا فرماتے ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لئے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے، اس لئے کہ یہ اللہ کے وعدۂ رزق پر اعتماد کی کمی ہے۔ شرحِ احیاء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آجاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دیدیتے تھے مبادا دل کو اس کی طرف التفات ہوجائے اور توکّل میں کسی قسم کی کمی ہوجائے۔ مگر یہ اُمور بڑے لوگوں کے لئے ہیں، ہم لوگوں کو ان امور کی ہوس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہنچے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" میں آدمی کے ہر جزو پر روزہ فرض کیا گیا ہے، پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز، آنکھ کا روزہ لہوولعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء حتیٰ کہ نفس کا روزہ حرص و شہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُبِّ دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی اِحتراز اور سرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

(١٠) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ، لَمْ يَقْضِهِ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَاِنْ صَامَهُ.

(رواه احمد والترمذی و ابو داود و ابن ماجة والدارمی والبخاری فی ترجمة باب، كذا فی المشكوة قلت: و بسط الكلام علی طرقه العينی فی شرح البخاری)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو افطار کر دے، غیر رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔

ف: بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ وغیرہ حضرات بھی ہیں، اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضانُ المبارک کے روزہ کو بلا وجہ کھودیا اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی، چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں تو ایک روزے کے بدلے ایک روزہ سے قضا ہو جائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک روزہ کے علاوہ دو مہینہ کے روزہ کفارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے، البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آ سکتی، اور اس حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ وہ برکت ہاتھ نہیں آ سکتی جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فساق کی حالت ہے تو اُس کی گمراہی کا کیا پوچھنا۔ روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے: سب سے اول توحید و رسالت کا اقرار، اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رکن نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں، لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں۔ سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں، مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے۔ حتی کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے: کلمۂ شہادت اور نماز، روزہ۔ جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کر دینا حلال ہے۔ علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو، مگر اس سے انکار نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش و عشرت بہت جلد چھوٹنے والی چیز ہے۔ کارآمد چیز صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے، لیکن بہت سے بد دین زبان سے بھی اس قسم کے الفاظ بک دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہنچا دیتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ

ہو یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور بہت غور و اہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخر اور مذاق اُڑانا بھی کفر کا سبب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے، کبھی بھی روزہ نہ رکھے۔ اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا منکر نہ ہو وہ کافر نہیں۔ جس فرض کو ادا نہیں کرتا اُس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے، لیکن دین کی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ بات کا تمسخر بھی کفر ہے جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز روزہ نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، یہ بہت زیادہ قابلِ لحاظ امر ہے، اس لئے روزہ کے متعلق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے، اور اگر تمسخر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عذر افطار کرنیوالا فاسق ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں علی الاعلان بغیر عذر کے کھاوے اس کو قتل کیا جاوے، لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ وہ کام امیرُالمومنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سبکدوش نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہارِ نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے بُرا سمجھے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے مطیع بندوں کے طفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرماویں کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ فصل اول میں دس حدیثیں کافی سمجھتا ہوں کہ ماننے والے کے لئے ایک بھی کافی ہے، چہ جائیکہ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" اور نہ ماننے والے کے لئے جتنا بھی لکھا جائے بیکار ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔ آمین

☆☆☆☆☆☆

فصلِ ثانی

شبِ قدر کے بیان میں

رمضانُ المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شبِ قدر کہلاتی ہے جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے افضل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے کے تراسی برس چار ماہ ہوتے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گذار دے اس نے گویا تراسی برس چار ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گزار دیا اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ افضل ہے۔ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا انعام ہے کہ قدر دانوں کے لئے یہ ایک بے نہایت نعمت مرحمت فرمائی۔ دُرِّ منثور میں حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ شبِ قدر حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے میری اُمت کو مرحمت فرمائی ہے، پہلی اُمتوں کو نہیں ملی۔ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا، بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پہلی اُمتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں اُن کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہو جاویں اور ان کو عبادت میں گزار دے تو گویا آٹھ سو تینتیس ۸۳۳ برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزار دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا رہا۔ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کو اس پر رشک آیا تو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ نے اس کی تلافی کے لئے اس رات کا نزول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا: حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَامُ، حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلَامُ، حضرت حزقیل عَلَیْہِ السَّلَامُ، حضرت یوشع عَلَیْہِ السَّلَامُ کہ اسی اسی ۸۰ برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور سورۂ القدر سنائی۔ اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ اس قسم کے اختلافِ روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ بہر حال سببِ نزول جو بھی کچھ ہوا ہو، لیکن اُمتِ محمدیہ کے لئے یہ اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیّہ ہے اور اس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے میسّر ہوتا ہے ورنہ۔

تہید ستان قسمت راچہ سُود از راہبرِ کامل   کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کس قدر قابلِ رشک ہیں وہ مشائخ جو فرماتے ہیں کہ بُلوغ کے بعد سے مجھ سے شبِ قدر کی عبادت کبھی فوت نہیں ہوئی۔ البتہ اس رات کی تعیین میں علماءِ امت کے درمیان میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے، تقریباً پچاس کے قریب اقوال ہیں، سب کا احاطہ دشوار ہے، البتہ مشہور اقوال کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔ کتبِ احادیث میں اس رات کی فضیلت مختلف انواع اور متعدد روایات سے وارد ہوئی ہے جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے، مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مستقل ایک سورۃ اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اول اس سورۃ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے۔ ترجمہ حضرت اقدس حکیمُ الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کی تفسیر بیانُ القرآن سے ماخوذ ہے اور فوائد دوسری کتب سے۔ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ o" "بیشک ہم نے قرآن پاک کو شبِ قدر میں اُتارا ہے"۔

ف: یعنی قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر اسی رات میں اُترا ہے۔ یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لئے کافی تھی کہ قرآنِ پاک جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی، چہ جائیکہ اُس میں اور بہت سے برکات وفضائل شامل ہو گئے ہوں۔ آگے زیادتیٔ شوق کے لئے ارشاد فرماتے ہیں "وَمَآ اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ o" "آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کیسی بڑی چیز ہے"۔ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں، اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں۔ "لَيْلَةُ الْقَدْرِ

خَيْـرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْـرٍ ٥" شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اُس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے" تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ" اس رات میں فرشتے اُترتے ہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتدا میں تجھے دیکھا تھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ عالی میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہاوے، اس کے بعد والدین نے جب تجھے اول دیکھا تھا جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی۔ حتی کہ کپڑے کو اگر لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی، لیکن جب حق تعالیٰ شانہ نے اس قطرہ کو بہتر صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جب کہ توفیق الٰہی سے تو شب قدر میں معرفتِ الٰہی اور طاعت ربانی میں مشغول ہے تو ملائکہ بھی اپنے اس فقرہ کی معذرت کرنے کے لئے اُترتے ہیں۔

"وَالرُّوْحُ فِيْهَا" اور اس رات میں رُوحُ القُدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نازل ہوتے ہیں۔ روح کے معنی میں مفسّرین کے چند قول ہیں: جمہور کا یہی قول ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا۔ بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے کہ تمام آسمان و زمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق ہے جو کھاتے پیتے ہیں، مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ پانچواں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو اُمتِ محمدیہ کے کارنامے دیکھنے کے لئے ملائکہ کے ساتھ اُترتے ہیں۔ چھٹا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے، یعنی اس رات میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان کے بعد میری رحمت خاص نازل ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند اقوال ہیں، مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ "سُنن بیہقی" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے

ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ "بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ" اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں۔ مظاہرِ حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم علیہ السلام کا مادّہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے اور دُعا وغیرہ کا قبول ہونا تو بکثرت روایات میں وارد ہے۔ دُرِّ منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ "سَلٰمٌ" وہ رات سراپا سلام ہے یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے دوسری جاتی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے، شر وفساد وغیرہ سے امن ہے۔ "هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ؀" وہ رات (ان ہی برکات کے ساتھ) طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔ یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو، اور کسی میں نہ ہو بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ اس سورۃ شریفہ کے ذکر کے بعد کہ خود اللہ جل جلالہ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اُن میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (كذا في الترغيب عن البخاري ومسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَيْلَةُ الْقَدْر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

ف: کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو اور ثواب کی اُمید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی بد نیتی سے کھڑا نہ ہو، بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔ خطّابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کر کے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بد دلی کے ساتھ نہیں، اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس قدر

ثواب کا یقین اور اعتقاد زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مَشَقَّت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قُربِ الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے، نیز یہ معلوم ہو جانا بھی ضروری ہے کہ حدیثِ بالا اور اُس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآنِ پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے ان کو "اِلَّا مَنْ تَابَ" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر علما کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے علماء اُس کو صغائر کے ساتھ مقیّد فرمایا کرتے ہیں۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی قید دو وجہ سے مذکور نہیں ہوتی، اول تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ جب کبیرہ گناہ اس سے صادر ہو جاتا ہے تو مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو اُس وقت تک چین ہی نہ آوے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کرلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے مواقع ہوتے ہیں مثلاً لیلۃ القدر ہی میں جب کوئی شخص بامیدِ ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بداعمالیوں پر ندامت اس کے لئے گویا لازم ہے اور ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے توبہ کا تحقّق خود بخود ہو جاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گذشتہ پر ندامت اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کبائر کا مُرتکب بھی ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لیلۃ القدر ہو یا کوئی اور اِجابت کا موقع ہو اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے پختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کرلے تاکہ اللہ کی رحمتِ کاملہ متوجہ ہو اور صغیرہ کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جاویں اور یاد آ جاوے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مخلصانہ دُعاؤں میں یاد فرمالیں۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ ھٰذَا الشَّھْرَ قَدْ حَضَرَکُمْ، وَفِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ، وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا مَحْرُوْمٌ. (رواہ ابن

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اُوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے

ماجة واسناده حسن ان شاء الله، كذا فى الترغيب و فى المشكوة عنه الا كل محروم)

محروم رہ گیا گویا ساری خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا، مگر وہ شخص جو حقیقۃً محروم ہی ہے۔

ف: حقیقتاً اسکی محرومی میں کیا تأمّل ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ریلوے ملازم چند کوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں اگر اسیؔ برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دِقت ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں اور اگر ذرا سا چسکہ پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا، سینکڑوں راتیں جاگی جا سکتی ہیں۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو   ہر چیز میں لذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی بات تو تھی کہ نبی کریم ﷺ باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا آپ کو یقین تھا، پھر اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ انہی کے نام لیوا اور اُمتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے اُن امور کی قدر کی وہ سب کچھ کر گئے اور نمونہ بن کرامت کو دکھلا گئے۔ کہنے والوں کو یہ موقع بھی نہیں رہا کہ حضور ﷺ کی حرص کون کر سکتا ہے اور کس سے ہو سکتی ہے۔ دل میں سما جانے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے لئے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی، مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنّا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی   نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گزار دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز میں گزار دیتے، صرف رات کے اوّل حصہ میں تھوڑا سا سوتے تھے، رات کی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ شرحِ احیاء میں ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ چالیس تابعین سے بطریق تواتر یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے نماز صبح پڑھتے تھے۔ حضرت شدّاد رحمۃ اللہ علیہ رات کو لیٹتے اور تمام رات کروٹیں بدل کر صبح کر دیتے اور کہتے:

یااللہ! آگ کے ڈر نے میری نیند اُڑادی۔ اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں مغرب عشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اور بس۔

سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ صِلہ بن اَشْیَم رحمۃ اللہ علیہ رات بھر نماز پڑھتے اور صبح کو یہ دُعا کرتے کہ یااللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنّت مانگوں، صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچا دیجیو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رمضان تو ہر تین رات میں ایک قرآن ختم فرماتے، مگر عشرۂ اخیر میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور ومعروف ہے کہ اس سے انکار تاریخ کے اعتماد کو ہٹاتا ہے۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قوت کس طرح حاصل ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طفیل ایک مخصوص طریق پر دُعا کی تھی، صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سوتے اور فرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے، گویا دوپہر کے سونے میں بھی اتباعِ سنت کا ارادہ ہوتا۔ قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اور روتے گزاردی "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ" الخ (القمر:۴۶) ابراہیم بن اَدہم رحمۃ اللہ علیہ رمضانُ المبارک میں نہ تو دن کو سوتے اور نہ رات کو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رمضانُ المبارک میں دن رات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن شریف ختم کرتے، اور اِن کے علاوہ سینکڑوں کے واقعات ہیں جنہوں نے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" پرعمل کرکے بتلادیا کہ کرنے والے کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ یہ سلف کے واقعات ہیں، اب بھی کرنے والے موجود ہیں، اس درجہ کا مجاہدہ نہ سہی، مگر اپنے زمانے کے موافق اپنی طاقت وقدرت کے موافق نمونۂ سلف اب بھی موجود ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اقتدا کرنے والے اس دورِ فساد میں بھی موجود ہیں۔ نہ راحت وآرام انہماکِ عبادت سے مانع ہوتا ہے، نہ دنیوی مشاغل سدِّراہ ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دونگا اور تیرے فقر کو بند کردوں گا، ورنہ تیرے سینہ کو

مشاغل سے بھر دوں گا اور فقر زائل نہیں ہوگا۔ روز مرہ کے مشاہدات اس سچے ارشاد کے شاہدِ عدل ہیں۔

(۳) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ، يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ، يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يعنى يَوْمَ فِطْرِهِمْ، بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ، فَقَالَ: يَا مَلَائِكَتِيْ! مَاجَزَاءُ اَجِيْرٍ وَّفّٰى عَمَلَهٗ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا جَزَاؤُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرَهٗ[1] قَالَ: مَلَائِكَتِيْ! عَبِيْدِيْ وَاِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ! لَاُجِيْبَنَّهُمْ، فَيَقُوْلُ: ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ. (رواه البيهقي في شعب الايمان، كذافي المشكوة)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اُس شخص کے لئے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے (اور عبادت میں مشغول ہے) دعائے رحمت کرتے ہیں اور جب عیدُ الفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں۔ (اس لئے کہ انہوں نے آدمیوں پر طعن کیا تھا) اور اُن سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی اُجرت پوری دیدی جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کر دیا، پھر دُعا کے ساتھ چلاّتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف) نکلے ہیں، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے علوِّ شان کی قسم! میرے بلندیٔ مرتبہ کی قسم! میں اُن لوگوں کی دُعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر اُن لوگوں کو خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ، تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں

[1] بالنصب وقيل بالرفع، كذا في المرقاة

اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ پس یہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ اُن کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

ف: حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ملائکہ کے ساتھ آنا خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ رسالہ کی سب سے اخیر حدیث میں اس کا مُفصّل ذکر آ رہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر و شاغل کے گھر جاویں اور اُن سے مصافحہ کریں۔ ''غالیۃ المواعظ'' میں حضرت اقدس شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''غُنیۃ'' سے نقل کیا ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل کے کہنے سے متفرق ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مصافحہ کرنے کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں، لیکن اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا سور یا حرام کاری کی وجہ سے جنبی یا تصویر ہو۔ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمتِ رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے، مگر اُس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (مشکوۃ عن البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

ف: جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے عام ہے کہ مہینہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔ اس حساب سے حدیث بالا کے مطابق شب قدر کی تلاش ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ راتوں میں کرنا چاہئے، اگر مہینہ ۲۹ کا ہو تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے۔ مگر ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دس کے ہیں، لہٰذا اگر تیس ۳۰ کا چاند رمضان المبارک کا ہو تب تو یہ ہے، لیکن ۲۹ کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب

سے شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں وتر راتیں یہ ہونگی: ۲۰،۲۲،۲۴،۲۶،۲۸ لیکن نبی کریم ﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بالا تفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لئے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی احتمال ہے زیادہ راجح ہے۔ اگر چہ احتمال اور راتوں میں بھی ہے اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شب قدر کی فکر میں لگا رہے۔ دس گیارہ راتیں کوئی ایسی اہم یا مشکل چیز نہیں جن کو جاگ کر گذار دینا اس شخص کے لئے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی اُمید رکھتا ہو ؎

عُرفی اگر بگریہ مُیسر شدے وصال صد سال میتواں بہ تمنّا گریستن

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسَى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ. (مشکوۃ عن البخاری)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لئے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمھیں شب قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو لہٰذا اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

ف: اس حدیث میں تین مضمون قابلِ غور ہیں: امرِ اول جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے جو اس قدر سخت بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شبِ قدر کی تعیین اُٹھا لی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈ نے والی ہے، یعنی استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں،

آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ دُنیا دار دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر، جبکہ بہت سی لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول حضور ﷺ کے ارشاد کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لئے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ فصلِ اول میں روزہ کے آداب میں گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبرو ریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں اور نہ اللہ اور اُس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال۔ خود اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کا ارشاد ہے "وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا" الآیۃ اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی[1]۔ آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں اور پھر دُنیا کی ذلت بدیہی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے اگر اس حالت میں مر گیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی رحمت سے (نیک اعمال کی بدولت) مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے، مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہر پیر جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شب برأت میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے، مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی: ایک کافر، دوسرا جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان

[1] بیان القرآن

کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ کی نہیں، مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں، اُن کی مجالس، اُن کے مجامع اُن کی تقریبات، اس کمینہ حرکت سے لبریز ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ. لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے۔ اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینی امر کی حمایت کی وجہ سے ترک تعلق کرے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا تو اُن کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مرنے تک اُن سے نہیں بولے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ثابت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ شانہ دانا و بینا ہیں، قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترک تعلق دین کی خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت اور کسرِ شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔

دوسرا امر جو حدیث بالا میں معلوم ہوتا ہے وہ حکمتِ الٰہی کے سامنے رضا اور قبول وتسلیم ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ شب قدر کی تعیین کا اُٹھ جانا صورتاً بہت ہی بڑی خیر کا اُٹھ جانا تھا، لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شاید ہمارے لئے یہی بہتر ہو۔ نہایت عبرت اور غور کا مقام ہے۔ اللہ جل شانہ کی رحیم وکریم ذات بندہ پر ہر وقت مہربان ہے۔ اگر بندہ اپنی بداعمالی سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تب بھی اللہ جل جلالہ کی طرف سے تھوڑی سی توجہ اور اقرار عجز کے بعد اللہ کا کرم شامل حال ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت بھی کسی بڑی خیر کا سبب بنا دیجاتی ہے اور اللہ کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ چنانچہ علماء نے اُس کے اِخفاء میں بھی چند مصالح ارشاد فرمائے ہیں: اول یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طبائع ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتیں اور اس صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ آج ہی شاید شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق، طلب والوں

کو نصیب ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر اُن سے رہا ہی نہیں جاتا۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت کی جرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ ناک تھا۔ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگا دو تاکہ وضو کر لیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ نے جگا تو دیا، مگر حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں، آپ نے خود کیوں نہ جگا دیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مبادا انکار کر بیٹھتا اور میرے کہنے پر انکار کفر ہو جاتا، تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا۔ تو اسی طرح حق سبحانہ وتقدّس کی رحمت نے گوارا نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جرأت کرے۔

تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو میسر ہو ہی جاتی ہیں۔ چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں اُن سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملے گا۔ پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ ملائکہ پر تفاخر فرماتے ہیں جیسا کہ پہلی روایات میں معلوم ہو چکا۔ اس صورت میں تفاخر کا زیادہ موقع ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال اور خیال پر رات رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں کہ جب احتمال پر اس قدر کوشش کر رہے ہیں اگر بتلا دیا جاتا کہ یہی رات شب قدر ہے تو پھر ان کی کوششوں کا کیا حال ہوتا۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ ایسے امور کی وجہ سے عادۃُ اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مخفی فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ اسمِ اعظم کو مخفی فرما دیا۔ اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقت خاص مقبولیتِ دُعا کا ہے، اس کو بھی مخفی فرما دیا۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضانُ المبارک میں تعیین بھلا دی گئی ہو اور اس کے بعد دیگر مصالح مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین ہٹا دی گئی ہو۔

تیسری بات جو اس حدیث پاک میں وارد ہے وہ شب قدر کی تلاش کے لئے تین راتیں ارشاد فرمائی ہیں: نویں، ساتویں، پانچویں۔ دوسری روایات کے ملانے سے اتنا تو محقّق ہے کہ یہ تینوں راتیں اخیر عشرہ کی ہیں، لیکن اس کے بعد پھر چند احتمال ہیں کہ عشرہ میں اگر اول سے شمار کیا جائے تو حدیث کا محمل ۲۹، ۲۷، ۲۵ رات ہوتی ہے اور اگر اخیر سے شمار کیا جائے جیسا کہ بعض الفاظ سے مُترشّح ہے تو پھر ۲۹ کے چاند کی صورت میں ۲۱، ۲۳، ۲۵۔ اور ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴، ۲۶ ہے۔ اس کے علاوہ بھی تعیین میں روایات بہت مختلف ہیں اور اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔

روایات کے بکثرت اختلاف کی وجہ محققین کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں کہ ہر سال نبی کریم ﷺ نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں تلاش کا حکم فرمایا اور بعض سالوں میں متعیّن طور سے بھی ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ شب قدر کا ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کونسی تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ۲۲ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج ہی رات کی میں تلاش کرو۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ شبِ قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک رہے گی۔ میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کس حصہ میں ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرۂ اوّل اور عشرۂ آخر میں تلاش کرو۔ پھر حضور ﷺ اور باتوں میں مشغول ہو گئے تو میں نے موقع پا کر عرض کیا: اجی! یہ تو بتلا ہی دیجئے کہ عشرہ کے کون سے حصہ میں ہوتی ہے۔ حضور ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے نہ بعد میں، اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات رات میں تلاش کرو، بس اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور نے ۲۳ شب متعیّن طور پر ارشاد فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا، مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ اُٹھ آج شب قدر ہے، میں جلدی سے اُٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گیا تو آپ کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی اور یہ رات ۲۳ ویں شب تھی۔ بعض روایات میں متعین طور سے ۲۴ کی شب کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شب قدر کو پا سکتا ہے (یعنی شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے)، کسی نے ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا تو وہ فرمانے لگے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قناعت کر کے نہ بیٹھ جائیں، پھر قسم کھا کر یہ بتلایا کہ وہ ۲۷ رمضان کو ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے کہ وہ ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیق یہی ہے، ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تحقیق وہی ہے کہ جو شخص تمام سال جاگے وہ اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ اور دُرِ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ائمہ میں سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں جو متعین ہے مگر معلوم نہیں۔ شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ۲۱ کی شب میں ہونا اقرب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ امید ہے۔

شیخ العارفین محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ اس لئے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے ایک مرتبہ ۱۵ کو، اور ایک مرتبہ ۱۹ کو، اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ کو، اور ۱۸ کو، اور رمضان کے آخر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے۔ اس لئے مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے، لیکن رمضانُ المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

شبِ قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے: ایک وہ رات ہے جس میں احکامِ خداوندی نازل ہوتے ہیں اور اسی رات میں قرآن شریف لوحِ محفوظ سے اُترا ہے، یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں، تمام سال میں دائر رہتی ہیں، لیکن جس سال قرآن پاک نازل ہوا اس سال رمضانُ المبارک میں تھی اور اکثر رمضانُ المبارک ہی میں ہوتی ہے، اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے اور ملائکہ بکثرت زمین پر اُترتے ہیں اور شیاطین دور رہتے ہیں، دُعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ ہر رمضان میں ہوتی ہیں اور اخیر عشرہ کی وتر راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ اسی قول کو راجح فرماتے تھے۔

بہر حال شبِ قدر ایک ہو یا دو، ہر شخص کو اپنی ہمت ووسعت کے موافق تمام سال اس کی تلاش میں سعی کرنا چاہئے، نہ ہو سکے تو رمضان بھر جستجو چاہئے۔ اگر یہ بھی مشکل ہو تو عشرۂ اخیرہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے اور خدانخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہر حال غنیمتِ باردہ سمجھنا ہی چاہئے کہ اگر تائید ایزدی شامل حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے تو پھر تمام دنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، لیکن اگر میسر نہ بھی ہو تب بھی اجر سے خالی نہیں، بالخصوص مغرب عشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال بہت ہی ضروری ہونا چاہئے کہ اگر خوش قسمتی سے شب قدر کی رات میں یہ دو نمازیں جماعت سے میسر ہو جائیں تو کس قدر با جماعت نمازوں کا ثواب ملے۔ اللہ کا کس قدر بڑا انعام ہے کہ کسی دینی کام میں اگر کوشش کی جاوے تو کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کوشش کا اجر ضرور ملتا ہے، لیکن اس کے باوجود کتنے ہمت والے ہیں جو دین کے درپے ہیں، دین کے لئے مرتے ہیں، کوششیں کرتے ہیں اور اس کے بالمقابل اغراضِ دُنیویہ میں کوشش کے بعد اگر نتیجہ مرتب نہ ہو تو وہ کوشش بے کار اور ضائع، لیکن اس پر بھی کتنے لوگ ہیں کہ دنیوی اغراض اور بے کار ولغو اُمور کے حاصل کرنے کے لئے جان و مال دونوں کو برباد کرتے ہیں۔

ع

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

(۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضي الله عنه اَنَّهٗ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ: فِيْ رَمَضَانَ فِي الْعَشْرَةِ الْاَوَاخِرِ، فَاِنَّهَا فِيْ لَيْلَةِ وِتْرٍ: فِيْ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ، اَوْ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْتِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ، اَوْاٰخِرِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ مَنْ قَامَهَا اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّهَا لَيْلَةٌ بَلْجَةٌ، صَافِيَةٌ سَاكِنَةٌ، سَاجِيَةٌ، لَا حَارَّةٌ وَّلَا بَارِدَةٌ، كَاَنَّ فِيْهَا قَمَرًا سَاطِعًا، وَّلَا يَحِلُّ لِنَجْمٍ اَنْ يُّرْمٰى بِهٖ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ، وَمِنْ اَمَارَاتِهَا اَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صَبِيْحَتَهَا لَا شُعَاعَ لَهَا مُسْتَوِيَةً، كَاَنَّهَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الشَّيْطَانِ اَنْ يَّخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ. (درمنثور عن أحمد و البيهقي ومحمد بن نصر وغيرهم)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے شبِ قدر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ رمضان کے اخیرعشرہ کی طاق راتوں میں ہے ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ یا رمضان کی آخری رات میں۔ جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کرے اس کے پچھلے سب گناہ مُعاف ہوجاتے ہیں۔ اس رات کی مُجملہ اورعلامتوں کے یہ ہے کہ وہ رات کھلی ہوئی چمکدار ہوتی ہے، صاف شفاف، نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی، بلکہ معتدل گویا کہ اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے، اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے، نیز اُسکی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے، ایسا بالکل ہموار ٹکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند، اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا (بخلاف اور دنوں کے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور ہوتا ہے)۔

ف: اس حدیث کا اول مضمون تو سابقہ روایات میں ذکر ہوچکا ہے۔ آخر میں شبِ قدر

کی چند علامات ذکر کی ہیں جن کا مطلب صاف ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں، ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی ہے، بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایات حدیث میں وارد ہوئی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور لابدّی نہیں ہیں۔ عبدۃ بن ابی لُبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیس ویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی، میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تیئیس ویں شب کا قصہ ہے۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ شبِ قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر ایسی چیزوں کا تعلق امورِ کشفیہ سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا؟ قَالَ: قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ. (رواه احمد وابن ماجة والترمذى وصححه، كذا فى المشكوة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دُعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰهُمَّ سے اخیر تک دُعا بتلائی جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! تو بیشک معاف کرنیوالا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو۔ پس معاف فرمادے مجھ سے بھی۔

ف: نہایت جامع دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لُطف وکرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے ؎

من نگویم کہ طاعتم بہ پذیر　　قلم عفو بر گناہم کش

حضرت سفیانِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رات میں دُعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ

بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے۔ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صرف دُعا نہیں، بلکہ مختلف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے مثلاً تلاوت، نماز، دُعا اور مُراقبہ وغیرہ، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب امور منقول ہیں، یہی قول زیادہ اقرب ہے کہ سابقہ احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گذر چکی ہے۔

فصلِ ثالث

اعتکاف کے بیان میں

اعتکاف کہتے ہیں مسجد میں اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرنے کو، حنفیہ کے نزدیک اُس کی تین قسمیں ہیں، ایک واجب، جو منّت اور نذر کی وجہ سے ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا یا بغیر کسی کام پر موقوف کرنے کے یونہی کہہ لے کہ میں نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کرلیا یہ واجب ہوتا ہے اور جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم سنت ہے جو رمضانُ المبارک کے اخیر عشرہ کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ان ایام کے اعتکاف فرمانے کی تھی۔ تیسرا اعتکاف نفل ہے جس کے لئے نہ کوئی وقت نہ ایام کی مقدار، جتنے دن کا جی چاہے کر لے، حتی کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کر لے تب بھی جائز ہے، البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اس لئے ہر شخص کے لئے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے کہ اتنے نماز وغیرہ میں مشغول رہے اعتکاف کا ثواب بھی رہے۔ میں نے اپنے والد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ کو ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو دایاں پاؤں اندر داخل کرتے ہی اعتکاف کی نیت فرماتے تھے اور بسا اوقات خدام کی تعلیم کی غرض سے آواز سے بھی نیت فرماتے تھے۔ اعتکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ

نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ اتنے میری درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتاً یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا بھی پسیجتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی کریم ذات تو بخشش کے لئے بہانہ ڈھونڈتی ہے، بلکہ بے بہانہ مرحمت فرماتے ہیں۔

تُو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے در تری رحمت کے ہیں ہر دم کھُلے
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس لئے جب کوئی شخص اللہ کے دروازے پر دنیا سے منقطع ہو کر جا پڑے تو اس کے نوازے جانے میں کیا تأمل ہو سکتا ہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ جس کو اکرام فرما دیں اس کے بھرپور خزانوں کا بیان کون کر سکتا ہے، اس کے آگے کہنے سے قاصر ہوں کہ نامرد بلوغ کی کیفیت کیا بیان کر سکتا ہے، مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ۔

جس گُل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اُسکی روح دِل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اسی کے ساتھ مُجتمع ہو جائے اور ساری مشغولیوں کے بدلہ میں اُسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جاوے کہ خیالات تفکرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر اُسکی محبت سما جاوے، حتی کہ مخلوق کے ساتھ اُنس کے بدلہ اللہ کے ساتھ اُنس پیدا ہو جاوے کہ یہ اُنس قبر کی وحشت میں کام دے کہ اس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مُونس، نہ دل بہلانے والا، اگر دل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہو گا تو کس قدر لذت سے وقت گذرے گا۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

صاحب مَراقِی الفَلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین

اعمال میں سے ہے۔ اس کی خصوصیتیں حدِّ احصاء سے خارج ہیں کہ اس میں قلب کو دُنیا و مافیہا سے یکسو کر لینا ہے اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا اور آقا کی چوکھٹ پر پڑ جانا ہے۔

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑا رہوں سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کئے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے جاگتے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرّب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے میں اُسکی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے، نیز اللہ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن کی رسائی وہاں تک نہیں وغیرہ وغیرہ، بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔

مسئلہ: مرد کے لئے سب سے افضل جگہ مسجدِ مکّہ ہے، پھر مسجدِ مدینہ مُنوّرہ پھر مسجد بیت المقدس، اُن کے بعد مسجدِ جامع پھر اپنی مسجد۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک شرعی مسجد ہونا کافی ہے، اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو۔ عورت کے لئے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے۔ اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے متعین نہ ہو تو کسی کونہ کو اس کے لئے مخصوص کر لے۔ عورتوں کے لئے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کاروبار بھی گھر کی لڑکیوں وغیرہ سے لیتی رہیں اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ، ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ، ثُمَّ اَطْلَعَ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضانُ المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف

رَأْسَهُ، فَقَالَ: اِنِّی اعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، ثُمَّ اعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ، ثُمَّ اُتِيْتُ، فَقِيْلَ لِیْ: اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِیَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ، فَقَدْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا، وَقَدْ رَاَيْتُنِی اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَّطِيْنٍ مِنْ صَبِيْحَتِهَا، فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْا فِیْ كُلِّ وِتْرٍ. قَالَ: فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ، فَبَصُرَتْ عَيْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلٰی جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَاءِ وَ الطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ اِحْدٰی وَعِشْرِيْنَ. (مشکوۃ عن المتفق علیہ باختلاف اللفظ)

فرمار ہے تھے باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی کی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے، لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی، پھر بھلا دی گئی (اس کی علامت یہ ہے) میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا۔ لہٰذا اب اس کو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی، وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم ﷺ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیسؓ کی صبح کو دیکھا۔

ف: نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے، اس مہینہ میں تمام مہینہ کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا، لیکن اکثر عادتِ شریفہ چونکہ اخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے، اس لئے علماء کے نزدیک سنتِ مؤکدہ وہی ہے۔ حدیثِ بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شبِ قدر کی تلاش ہے اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لئے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سوتا ہوا بھی ہو تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور ادھر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لئے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا، لہٰذا شبِ قدر کے قدر دانوں کے لئے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ اول تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے، لیکن اخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی۔ رات کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر عشرہ میں حضور ﷺ لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا اِحیاء فرماتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے۔ لنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے اور بیویوں سے بالکلیہ احتراز بھی مراد ہو سکتا ہے۔

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْزىٰ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (مشکوۃ عن ابن ماجۃ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُعتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اُس کے لئے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لئے۔

ف: دو مخصوص منافع اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، ورنہ بسا اوقات کوتاہی اور لغزش سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے اور ایسے متبرک وقت میں مَعْصیت کا ہو جانا کس قدر ظلم عظیم ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن اور حفاظت رہتی ہے، دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ ایسے اُمور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کر سکتا، اس لئے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رُکا رہا اُن کا اجر بغیر کئے بھی ملتا رہے گا۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے۔ درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈھتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھواں دار برستی ہے۔ ع

بہانہ مے دہد بہانہ مے دہد

مگر ہم لوگوں کو سرے سے اس کی قدر ہی نہیں، ضرورت ہی نہیں، توجہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وقعت ہی ہمارے قلوب میں نہیں ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ كَانَ مُعْتَكِفًا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: يَافُلَانُ! اَرَاكَ مُكْتَئِبًا حَزِيْنًا؟ قَالَ: نَعَمْ، يَاابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ، لِفُلَانٍ عَلَيَّ حَقٌّ وَلَا[1] وَحُرْمَةِ صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ، مَا اَقْدِرُ عَلَيْهِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: اَفَلَا اُكَلِّمُهٗ فِيْكَ؟ قَالَ اِنْ اَحْبَبْتَ، قَالَ: فَانْتَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، قَالَ لَهُ الرَّجُلُ: اَنَسِيْتَ مَاكُنْتَ فِيْهِ قَالَ: لَا، وَلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ، وَالْعَهْدُ بِهٖ قَرِيْبٌ فَدَمَعَتْ عَيْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ: مَنْ مَّشٰى فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ وَبَلَغَ فِيْهَا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اِعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَمَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلٰثَ خَنَادِقَ اَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ. (رواہ الطبرانی فی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اُس سے فرمایا کہ میں تمھیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے! میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور (نبی کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا، کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اُس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہ سُن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے

[1] هكذا في النسخة التي بأيدينا بلفظ حرف النهي وهو الصواب عندي لوجوه ووقع في بعض النسخ بلفظ ولاء بالهمزة في اخره وهو تصحيف عندي من الكاتب وعليه قرائن ظاهرة ۱۲.

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گذرا۔ (یہ لفظ کہتے ہوئے) ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی)۔

الاوسط والبيهقي واللفظ له، والحاكم مختصرا وقال صحيح الاسناد، وكذا في الترغيب وقال السيوطي في الدر: صححه الحاكم وضعفه البيهقي)

ف: اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے: اوّل یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ دنوں کا اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الغمۃ" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرۂ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے اور جو شخص مسجدِ جماعت میں مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز، قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہ اس کے لئے جنّت میں ایک محل بناتے ہیں۔ دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی ہے کہ دس برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی تلافی پھر بھی ہوسکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ اللہ جلّ شانہ کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بددُعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے، اورنصائح کے ساتھ "وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ"، بھی ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددُعا سے بچیو

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ ضرورتِ بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاویں، مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مقدم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اعتکاف نفلی اعتکاف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ خاتمہ میں ایک طویل حدیث جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں ذکر کر کے اس رسالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ الْجَنَّةَ لَتُبَخَّرُ وَ تُزَيَّنُ مِنَ الْحَوْلِ اِلَى الْحَوْلِ لِدُخُوْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ، فَاِذَا كَانَتْ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، هَبَّتْ رِيْحٌ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ، يُقَالُ لَهَا الْمُثِيْرَةُ، فَتَصْفَقُ وَرَقُ اَشْجَارِ الْجِنَانِ وَحَلَقُ الْمَصَارِيْعِ، فَيُسْمَعُ لِذٰلِكَ طَنِيْنٌ لَّمْ يَسْمَعِ السَّامِعُوْنَ اَحْسَنَ مِنْهُ، فَتَبْرُزُ الْحُوْرُ الْعِيْنُ حَتّٰى يَقِفْنَ بَيْنَ شُرَفِ الْجَنَّةِ، فَيُنَادِيْنَ: هَلْ مِنْ خَاطِبٍ اِلَى اللّٰهِ؟ فَيُزَوِّجَهٗ، ثُمَّ يَقُلْنَ الْحُوْرُ الْعِيْنُ: يَا رِضْوَانَ الْجَنَّةِ! مَا هٰذِهِ اللَّيْلَةُ؟

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنّت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضانُ المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جس کا نام "مُثیرہ" ہے (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنّت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سُریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی

فَيُجِيْبُهُنَّ بِالتَّلْبِيَةِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: هٰذِهٖ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ لِلصَّائِمِيْنَ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ، قَالَ: وَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَارِضْوَانُ! اِفْتَحْ اَبْوَابَ الْجِنَانِ، وَيَامَالِكُ! اَغْلِقْ اَبْوَابَ الْجَحِيْمِ عَنِ الصَّائِمِيْنَ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ ﷺ. وَيَا جِبْرَئِيْلُ! اِهْبِطْ اِلَى الْاَرْضِ فَاصْفِدْ مَرَدَةَ الشَّيَاطِيْنِ وَغُلَّهُمْ بِالْاَغْلَالِ، ثُمَّ اقْذِفْهُمْ فِى الْبِحَارِ حَتّٰى لَا يُفْسِدُوْا عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ حَبِيْبِىْ ﷺ صِيَامَهُمْ. قَالَ: وَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِىْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمُنَادٍ يُّنَادِىْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِيَهٗ سُؤْلَهٗ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَاَتُوْبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ؟ مَنْ يُّقْرِضُ الْمَلِىَّ غَيْرَ الْعَدُوْمِ وَ الْوَفِىَّ غَيْرَ الظَّلُوْمِ؟ قَالَ: وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِىْ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ الْاِفْطَارِ اَلْفُ اَلْفِ عَتِيْقٍ مِّنَ النَّارِ كُلُّهُمْ قَدِاسْتَوْجَبُوا النَّارَ. فَاِذَا كَانَ اٰخِرُ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَعْتَقَ اللّٰهُ فِىْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ بِقَدْرِ مَا اَعْتَقَ مِنْ اَوَّلِ الشَّهْرِ اِلٰى اٰخِرِهٖ.

نہیں سنی۔ پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنّت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنیوالا تا کہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں۔ پھر وہی حوریں جنّت کے داروغہ ''رضوان'' سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبّیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضانُ المبارک کی پہلی رات ہے، جنّت کے دروازے محمد ﷺ کی اُمت کیلئے (آج) کھول دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ ''رضوان'' سے فرمادیتے ہیں کہ جنّت کے دروازے کھول دے اور ''مالک'' (جہنّم کے داروغہ) سے فرمادیتے ہیں کہ احمد ﷺ کی اُمت کے روزہ داروں پر جہنّم کے دروازے بند کر دے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد ﷺ کی اُمت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک مُنادی کو حکم

وَاِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ جِبْرَئِيْلَ، فَيَهْبِطُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ وَ مَعَهُمْ لِوَاءٌ اَخْضَرُ، فَيَرْكُزُ اللِّوَاءَ عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ وَلَهٗ مِائَةُ جَنَاحٍ، مِنْهَا جَنَاحَانِ لَا يَنْشُرُهُمَا اِلَّا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ فَيَنْشُرُهُمَا اِلَّا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيَنْشُرُهُمَا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ، فَيُجَاوِزُ الْمَشْرِقَ اِلَى الْمَغْرِبِ، فَيَحُثُّ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ، فَيُسَلِّمُوْنَ عَلٰى كُلِّ قَائِمٍ وَّقَاعِدٍ وَّمُصَلٍّ وَّذَاكِرٍ، وَيُصَافِحُوْنَهُمْ وَيُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى دُعَائِهِمْ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُنَادِيْ جِبْرَئِيْلُ مَعَاشِرَ الْمَلَائِكَةِ: الرَّحِيْلَ! الرَّحِيْلَ! فَيَقُوْلُوْنَ: يَاجِبْرَئِيْلُ! فَمَا صَنَعَ اللّٰهُ فِيْ حَوَائِجِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اُمَّةِ اَحْمَدَ ﷺ؟ فَيَقُوْلُ: نَظَرَ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَعَفٰى عَنْهُمْ اِلَّا اَرْبَعَةً، فَقُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ: رَجُلٌ مُّدْمِنُ خَمْرٍ وَّ عَاقٌّ لِّوَالِدَيْهِ وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَّمُشَاحِنٌ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ مَاالْمُشَاحِنُ؟ قَالَ: هُوَ الْمُصَارِمُ. فَاِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ

فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اُسکی توبہ قبول کروں؟ کوئی مغفرت چاہنے والا میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانُہٗ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خُلاصی مَرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے اُن کے برابر اُس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شبِ قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں، اُن کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ کے اُوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سَو بازو ہیں جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات میں کھولتے

تِلْكَ اللَّيْلَةَ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَاِذَا كَانَتْ غَداةُ الْفِطْرِ بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَلٰئِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلادٍ، فَيَهْبِطُوْنَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى اَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مَنْ خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ، فَيَقُوْلُوْنَ: يَااُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ! اُخْرُجُوْا اِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُعْطِى الْجَزِيْلَ وَيَعْفُوْعَنِ الْعَظِيْمِ فَاِذَا بَرَزُوْا اِلٰى مُصَلَّاهُمْ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلٰئِكَةِ: مَاجَزَاءُ الْاَجِيْرِ اِذَا عَمِلَ عَمَلَهُ؟ قَالَ: فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِكَةُ: اِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا ! جَزَائُهُ اَنْ تُوَفِّيَهُ اَجْرَهُ. قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِيْ اَنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامِهِمْ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ وَ يَقُوْلُ: يَاعِبَادِيْ! سَلُوْنِيْ فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا تَسْئَلُوْنِيَ الْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِاٰخِرَتِكُمْ اِلَّا اَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ اِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ، فَوَعِزَّتِيْ لَاَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَا رَاقَبْتُمُوْنِيْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ! لَا اُخْزِيْكُمْ وَلَا

ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دُعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے۔ جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد ﷺ کی اُمت کے مومنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنیوالا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنیوالا ہو۔ پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اُس

اُفْصِحُکُمْ بَیْنَ اَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، وَانْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَّکُمْ، قَدْ اَرْضَیْتُمُوْنِیْ وَرَضِیْتُ عَنْکُمْ. فَتَفْرَحُ الْمَلٰئِکَۃُ وَتَسْتَبْشِرُ بِمَا یُعْطِی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ اِذَا اَفْطَرُوْا مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ. (کذا فی الترغیب، وقال رواہ ابو الشیخ بن حبان فی کتاب الثواب والبیھقی واللفظ لہ، ولیس فی اسنادہ من اجمع علی ضعفہ، قلت: قال السیوطی فی التدریب: قد التزم البیھقی ان لا یخرج فی تصانیفہ حدیثا یعلمہ موضوعا الخ۔ وذکر القاری فی المرقات بعض طرق الحدیث، ثم قال فاختلاف طرق الحدیث یدل علی ان لہ اصلا .)

کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کی اُمت! اس کریم رب کی (درگاہ) کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اُس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں میں نے اُن کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دُنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کرونگا۔ میری عزت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمھاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور اُن کو چھپاتا رہونگا)۔ میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کرونگا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے

راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

ف: اس حدیث کے اکثر مضامین رسالہ کے گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ چند امور قابل غور ہیں جن میں سب سے اوّل اور اہم تو یہ ہے کہ بہت سے محروم رمضان کی مغفرتِ عامّہ سے بھی مستثنیٰ تھے جیسا کہ پہلی روایت میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ عید کی اس مغفرتِ عامّہ سے بھی مستثنیٰ کر دیئے گئے جن میں سے آپس کے لڑنے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں اُن سے کوئی پوچھے کہ تم نے اللہ کو ناراض کر کے اپنے لئے کون سا ٹھکانا ڈھونڈ رکھا ہے؟ افسوس! تم پر بھی اور تمہاری اس عزّت پر بھی جس کے حاصل کرنے کے غلط خیال میں تم رسول اللہ ﷺ کی بددُعائیں برداشت کر رہے ہو، جبرئیل علیہ السلام کی بددُعائیں اُٹھا رہے ہو اور اللہ کی رحمت ومغفرتِ عامّہ سے بھی نکالے جا رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج تم نے اپنے مقابل کو زک دے ہی دی اپنی مونچھ اُونچی کر ہی لی، وہ کتنے دن تمھارے ساتھ رہ سکتی ہے، جبکہ اللہ کا پیارا رسول ﷺ تمہارے اُوپر لعنت کر رہا ہے اللہ کا مقرّب فرشتہ تمہاری ہلاکت کی بددُعا دے رہا ہے، اللہ جَلَّ شَانُہٗ تمہیں اپنی مغفرت ورحمت سے نکال رہے ہیں، اللہ کے واسطے سوچو اور بس کرو صبح کا بھٹکا شام کو گھر آ جائے تو کچھ نہیں گیا۔ آج وقت ہے اور تلافی ممکن اور کل جب ایسے حاکم کی پیشی میں جانا ہے جہاں نہ عزت ووجاہت کی پوچھ، نہ مال ومتاع کارآمد، وہاں صرف تمہارے اعمال کی پوچھ ہے اور ہر حرکت لکھی لکھائی سامنے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حقوق میں درگذر فرماتے ہیں، مگر بندوں کے آپس کے حقوق میں بغیر بدلہ دیئے نہیں چھوڑتے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُفلس میری اُمّت میں وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نیک اعمال کے ساتھ آوے اور نماز روزہ صدقہ سب ہی کچھ لاوے، لیکن کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کو تہمت لگادی تھی، کسی کو مار پیٹ کی تھی پس یہ سب دعویدار آویں گے اور اس کے نیک اعمال میں سے ان حرکتوں کا بدلہ وصول کر لیں گے اور جب اُس کے پاس نیک اعمال ختم ہو جاویں گے تو اپنی بُرائیاں اُن حرکتوں کے بدلہ میں اس پر ڈالتے رہیں گے اور پھر اس انبار کی بدولت وہ جہنّم رسید ہو

جائے گا اور اپنی کثرت اعمال کے باوجود جو حسرت ویاس کا عالم ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔

وہ مایوس تمنّا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے کہ جو منزل بمنزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اس رسالہ میں چند مواقع مغفرت کے ذکر کئے گئے ہیں اور اُن کے علاوہ بھی بہت سے اُمور ایسے ہیں کہ وہ مغفرت کے سبب ہوتے ہیں اور گناہ ان سے معاف ہوجاتے ہیں۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ گناہ معاف ہوچکے تو اُس کے بعد دوسری دفعہ معافی کے کیا معنیٰ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگر اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے تو اس کو مٹاتی ہے اور اگر اس کے اُوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا تو اس کے بقدر اس پر رحمت اور اِنعام کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ سابقہ احادیث میں بھی بعض جگہ اور اس حدیث میں ابھی حق تعالیٰ شانہ نے اپنے مغفرت فرمانے پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کی عدالت کے معاملات ضابطہ پر رکھے گئے ہیں۔ انبیاء علیہم الصّلاۃ والسّلام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں بھی گواہ طلب کئے جائیں گے۔ چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سے مواقع پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں پہنچا چکا ہوں۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قیامت کے دن بلائے جائیں گے۔ اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسالت کا حق ادا کیا، ہمارے احکام پہنچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پہنچائے تھے، پھر ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں احکام پہنچائے تھے؟ وہ کہیں گے "مَاجَآءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَانَذِيْرٍ" ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ ڈرانے والا تو حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ اپنے گواہ پیش کرو۔ وہ محمد ﷺ اور ان کی اُمت کو پیش کریں گے، اُمتِ محمدیہ بلائی جائے گی اور گواہی دے گی، بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے جرح کی جائے گی کہ تم کو کیا خبر کہ نوح علیہ السلام نے اپنے اُمت کو احکام پہنچائے؟ یہ عرض کریں گے کہ ہمارے رسول ﷺ نے خبر دی۔ ہمارے رسول پر جو سچّی کتاب اُتری اُس میں خبر دی گئی۔ اس طرح اور انبیاء علیہم الصّلاۃ والسّلام کی اُمت کے ساتھ بھی پیش آئے گا۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی

ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ." (البقرة:١٤٣)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ قیامت میں گواہیاں چار طرح کی ہوں گی۔ ایک ملائکہ کی جس کے متعلق آیات ذیل میں تذکرہ ہے "وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (ق:١٨،٢١) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" (الانفطار:١٠،١١،١٢)۔

دوسری گواہی انبیا علیہم الصّلاۃ والسّلام کی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (المائدة:١١٧) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (النساء:٤١)۔

تیسری اُمتِ محمدیہ کی گواہی ہوگی جس کے متعلق ارشاد ہے "وَجِيْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ" (الزمر:٦٩)۔ چوتھی آدمی کی اپنے اعضاء کی گواہی جس کے متعلق ارشاد ہے "يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ" (النور:٢٤) الآیۃ اور "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ" (یٰس:٦٥)۔

اختصار کے خیال سے ان آیات کا ترجمہ نہیں لکھا۔ سب آیات کا حاصل قیامت کے دن ان چیزوں کی گواہی دینے کا ذکر ہے جن کا بیان آیت کے شروع میں لکھ دیا گیا۔ چوتھا امر حدیثِ بالا میں یہ ارشاد مبارک ہے میں تم کو کفار کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کرونگا۔ یہ حق تعالیٰ شانہ کا غایت درجہ کا لطف وکرم اور مسلمانوں کے حال پر غیرت ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں کے لئے یہ بھی لطف وانعام ہے کہ ان کی لغزشوں اور سیئات سے وہاں بھی درگزر اور پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ ایک مومن کو اپنی قریب بُلا کر اس پر پردہ ڈال کر کہ کوئی دوسرا نہ دیکھے، لغزشوں اور سیئات یاد دلا کر اس سے ہر ہر گناہ کا اقرار کرائیں گے اور وہ اپنے گناہوں کی کثرت اور اقرار پر یہ سمجھے گا کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آ گیا، تو ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تجھ پر

ستاری فرمائی ہے تو آج بھی اُن پر پردہ ہے اور معاف ہیں۔ اس کے نیک اعمال کا دفتر اُس کے حوالہ کردیا جائے گا۔

اور بھی سینکڑوں روایات سے یہ مضمون مُستنبط ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں، اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کی لغزشوں سے درگذر کردیا جاتا ہے۔ اس لئے نہایت اہمیّت کے ساتھ ایک مضمون سمجھ لینا چاہئے کہ جو لوگ اللہ والوں کی کوتاہیوں پر ان کی غیبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مَبادا قیامت میں ان کے نیک اعمال کی برکت سے ان کی لغزشیں تو معاف کردی جائیں اور پردہ پوشی فرمائی جائے، لیکن تم لوگوں کے اعمال نامے غیبت کا دفتر بن کر ہلاکت کا سبب بنیں۔ اللہ جَلّ شَانُہٗ اپنے لطف سے ہم سب سے درگذر فرمائیں۔

پانچواں امر ضروری یہ ہے کہ حدیث بالا میں عید کی رات کو انعام کی رات سے پکارا گیا، اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے اس لئے بندوں کو بھی اُس رات کی بے حد قدر کرنی چاہئے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں، حالانکہ یہ رات بھی خصوصیّت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اس کا دل اُس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مرجاویں گے۔ (یعنی فتنہ وفساد کے وقت جب لوگوں کے قُلوب پر مردنی چھاتی ہے، اس کا دل زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ صور پھونکے جانے کا دن مراد ہو کہ اس کی رُوح بیہوش نہ ہوگی)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لئے) جاگے اُس کے واسطے جنّت واجب ہو جاوے گی۔ لیلۃُ التَّروِیَہ (آٹھ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃُ العَرَفہ (۹ ذی الحجہ کی رات)، لیلۃُ النَّحر (۱۰ ذی الحجہ کی رات) اور عید الفطر کی رات اور شب برأت یعنی ۱۵ شعبان کی رات۔

فقہاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مستحب لکھا ہے۔ ''مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃ'' میں امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دُعا کی قبولیت کی ہیں: جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غرہ رَجب کی رات، اورنصف شعبان کی رات۔

تنبیہ: بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات کا بھی خصوصیّت سے اہتمام چاہئے کہ جمعہ اور اُسکی رات بہت متبرّک اوقات ہیں۔ احادیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر چونکہ بعض روایات میں جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک دو رات کو اس کے ساتھ اور بھی شامل کرلے۔

آخر میں ناظرین سے لجاجت سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کے مخصوص اوقات میں جب آپ اپنے لئے دُعا فرمائیں تو ایک سیہ کار[1] کو بھی شامل فرمائیں کیا بعید ہے کہ کریم آقا تمہاری مخلصانہ دُعا سے اس کو بھی اپنی رضا و محبّت سے نواز دیں۔

گرچہ میں بدکار و نالائق ہوں، اے شاہِ جہاں! پر ترے در کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں؟
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کے واسطے

کشمکش سے نا امیدی کو ہوا ہوں میں تباہ دیکھ مت میرے عمل، کر لُطف پر اپنے نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخِ عصیاں سر پہ ہے زیرِ قدم بحرِ اَلم چار سو ہے فوجِ غم، کر جلد اب بحرِ کرم
کچھ رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں، نے امیری کی طلب نے عبادت، نے ورع، نے خواہشِ علم ادب
دردِ دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تُو نے مجھے، پر اب تو اے پرودگار

[1] یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ

فضائل اعمال اردو

بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا کر مری امداد، اللہ! وقت ہے امداد کا

اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

گو میں ہوں ایک بندۂ عاصی غلامِ پر قصور جرم میرا حوصلہ ہے نام ہے تیرا غفور

تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے ربِّ شکور

اَنْتَ شَافٍ اَنْتَ کَافٍ فِیْ مُهِمَّاتِ الْاُمُوْرِ

اَنْتَ حَسْبِی اَنْتَ رَبِّی اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الوَکِیْلُ

محمد زکریا کاندھلوی
مُقیم مظاہر العلوم سہارنپور
(وارد بستی حضرت نظام الدین دہلی)
۲۷/ شب رمضانُ المبارک ۱۳۴۹ھ

مسلمانوں کی موجودہ

پستی کا واحِد علاج

تالیف

حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۃ البشریٰ
کراچی - پاکستان

اظہارِ حقیقت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سیدی و مولائی زُبدۃُ الفُضلاء ، قُدوَۃُ العُلَمَاء ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دَامَ مَجْدُہٗ کے خاص شَغَف اور اِنہماک اور دیگر بزرگانِ ملّت اور علماءِ اُمت کی توجہ اور برکت اور عملی جدوجہد سے ایک عرصہ سے مخصوص انداز میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا سلسلہ جاری ہے جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔

مجھ بے علم اور سیہ کار کو ان مقدّس ہستیوں کا حکم ہوا کہ اس طرزِ تبلیغ اور اس کی ضرورت اور اہمیّت کو قلم بند کیا جائے تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی اور نفع عام ہو جائے۔

تعمیلِ ارشاد میں یہ چند کلمات نذرِ قرطاس کئے جاتے ہیں جو ان مقدّس ہستیوں کے دریائے علوم و معارف کے چند قطرے اور اس باغیچۂ دینِ محمدی کے چند خوشے ہیں جو انتہائی عجلت میں جمع کئے گئے ہیں۔ اگر ان میں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر سے گذرے تو میری لغزشِ قلم اور بے علمی کا نتیجہ ہے۔ نظرِ لطف و کرم سے اس کی اصلاح فرمادیں تو موجبِ شکر و منّت ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے میری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ پوشی فرمادیں اور مجھے اور آپ کو ان مُقدّس ہستیوں کے طفیل سے اچھے اعمال اور اچھے کردار نصیب فرمادیں اور اپنی رضا و محبّت اور اپنے پسندیدہ دین کی اشاعت اور اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کی دولت سے سرفراز فرماویں۔

مدرسہ کاشف العلوم — خاکپائے بزرگاں

بستی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی — محمد احتشام الحسن

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ ۔

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کفر وضلالت، جہالت وسفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ بطحا کی سنگ لاخ پہاڑیوں سے رُشد وہدایت کا ماہتاب نمودار ہوا اور مشرق ومغرب، شمال وجنوب، غرض دنیا کے ہر ہر گوشہ کو اپنے نور سے منوّر کیا اور تیئس ۲۳ سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراجِ ترقی پر پہنچایا کہ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد وہدایت، صلاح وفلاح کی وہ مَشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان وشوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالف قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا، یہ ایک حقیقت ہے جو ناقابلِ انکار ہے، لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستاں ہے جس کا بار بار دہرانا، نہ تسلّی بخش ہے اور نہ کارآمد اور مفید، جب کہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلاف کے کارناموں پر بدنما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت وعظمت، شان وشوکت، دبدبہ وحشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں، لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذِلت وخواری، افلاس وناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں، نہ زور وقوت ہے، نہ زر ودولت ہے، نہ شان وشوکت ہے، نہ باہمی اُخُوّت والفت۔ نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اَغیار ہماری اس زبُوں حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مَضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان، اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعت مقدسہ کو

نا قابلِ عمل، لغو اور بیکار گردانتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب وتمدُّن کا سبق پڑھایا وہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر مُتَمَدِّن ہے؟

رہنمایانِ قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالتِ زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لئے جدوجہد کی مگر ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہوچکی اور آنے والا زمانہ مَاسَبَق (گذرے) سے بھی زیادہ پرخطر اور تاریک نظر آرہا ہے، ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک نا قابل تلافی جرم ہے، لیکن اس سے پہلے کہ کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذلت وخواری کے عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور اِنحطاط کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، اور ان کے اِزالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں، لیکن ہر تدبیر ناموافق ونا کام ثابت ہوئی جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس وہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ اسباب بیان کئے جاتے ہیں اصل مرض نہیں، بلکہ اس کے عوارض ہیں۔ پس تاوقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادّۂ حقیقی کی اصلاح نہ ہوگی، عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کر لیں، ہمارا اِصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانونِ الٰہی ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح وبہبود کا تا قیامِ قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کر دیں، بلکہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن حکیم سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکزِ رشد وہدایت سے طریق علاج معلوم کر کے اس پر کاربند

ہوں۔ جب قرآن کریم قیامت تک کے لئے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔ مالکِ ارض وسماء جلّ وعلا کا سچا وعدہ ہے کہ روئے زمین کی بادشاہت وخلافت مومنوں کے لئے ہے۔

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ" (النور:۵۵) — اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔ اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار ومددگار نہ ہوگا۔

"وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًاo" (الفتح:۲۲) — اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار۔ اور مومنوں کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سربلند اور سرفراز رہیں گے۔

"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (الروم:۴۷) — اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی۔

"وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o" (ال عمران:۱۳۹) — اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَo (المنافقون:۸) — اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی۔

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت، سربلندی وسرفرازی اور ہر برتری وخوبی ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ وابستہ ہے، اگر ان کا تعلق خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ ان کا ہے اور اگر خدانخواستہ اس رابطہ، تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے تو پھر سراسر خسران

اور ذلت وخواری ہے جیسا کہ واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے۔

وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o (سورہ عصر)

قسم ہے زمانہ کی، انسان بڑے خسارے میں ہے، مگر جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

ہمارے اسلاف عزت کے مُنتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور ہم انتہائی ذلت وخواری میں مبتلا ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کمال ایمان سے مُتَّصِف تھے اور ہم اس نعمتِ عظمٰی سے محروم ہیں جیسا کہ مخبرِ صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔

سَيَاْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ. (مشکوٰۃ)

یعنی قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہو گئے جو خدا اور رسول ﷺ کے یہاں مطلوب ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین و دنیا کی فلاح و بہبود وابستہ ہے تو کیا ذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس آئے؟ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے روحِ اسلام ہم سے نکال لی گئی اور ہم جَسَدِ بے جان رہ گئے۔

جب مُصحفِ آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور امتِ محمدیہ کی فضیلت اور برتری کی علت وغایت ڈھونڈھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ''خَيْرُ الْاُمَمْ'' کا معزز خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصدِ اصلی خدا وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی ذات وصفات کی معرفت ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لئے ہزاروں

رسول اور نبی بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے سَیِّدُ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" (المائدہ:۳) کا مُژدہ سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا تھا، ایک مکمل نظامِ عمل دیا جا چکا تھا، اس لئے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور جو کام پہلے نبی اور رسول سے لیا جاتا تھا، وہ قیامت تک "اُمتِ محمدیہ" کے سپرد کر دیا گیا۔

"کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔" (آل عمران: ۱۱۰)

اے اُمتِ محمدیہ! تم افضل امت ہو، تم کو لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بُری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝" (آل عمران: ۱۰۴)

اور چاہئے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے، اور بری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں خیرِ امم ہونے کی وجہ یہ بتلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرما دیا کہ فلاح و بہبود صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں، اس پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کر دیا گیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ٥ (المائده: ۷۸، ۷۹)

انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے اور جو بُرا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے واقعی ان کا یہ فعل بے شک بُرا تھا۔

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے۔

(۱) وفي السنن والمسند من حديث عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ اِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ فِيْهِمْ بِالْخَطِيْئَةِ جَآءَهُ النَّاهِيْ تَعْزِيْرًا، فَقَالَ: يَاهٰذَا! اِتَّقِ اللّٰهَ، فَاِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ جَالَسَهُ وَاٰكَلَهُ وَشَارَبَهُ، كَاَنَّهُ لَمْ يَرَهُ عَلٰى خَطِيْئَةٍ بِالْاَمْسِ. فَلَمَّا رَاٰىٰ عَزَّوَجَلَّ ذٰلِكَ مِنْهُمْ، ضَرَبَ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ، ثُمَّ لَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ، ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ السَّفِيْهِ، وَلَتَاْطُرُنَّ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا، اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ، ثُمَّ يَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، گویا کل اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ جب حق عزوجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو اور چاہئے کہ بیوقوف نادان کا ہاتھ پکڑو، اس کو حق بات پر مجبور کرو، ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے، اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی جیسا کہ

پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔

(۲) وفی سنن ابی داود و ابن ماجة، عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَامِنْ رَّجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِي، يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ، اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا.

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

(۳) وروی الأصبهانی عن انس رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا، وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ: يَظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ، فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. (ترغیب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب و بلا دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے، پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهٖ اَنْ قَدْ حَضَرَهٗ شَيْءٌ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ اَحَدًا، فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ اَسْتَمِعُ مَا يَقُوْلُ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی بات

عَلَيْهِ، وَقَالَ: يَآاَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِيْبَ لَكُمْ، وَتَسْاَلُوْنِىْ فَلَا اُعْطِيَكُمْ، وَتَسْتَنْصِرُوْنِىْ فَلَا اَنْصُرَكُمْ، فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ (الترغيب)

نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تاکہ کوئی ارشاد ہو، اس کو سنوں۔ حضورِ اقدس ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا: "لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔

(۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِى الدُّنْيَا، نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْاِسْلَامِ، وَاِذَا تَرَكَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْىِ، وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِى سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ.

(كذا فى الدر عن الحكيم الترمذى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابلِ وقعت وعظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت اور ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سبّ وشتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب اُمتِ محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اس نے اپنے فرضِ منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی۔ یہی وجہ

ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزو لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضعف و اِضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ". (مسلم)

یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔ پس جس طرح آخری درجہ اَضعفِ ایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ کمالِ دعوت اور کمالِ ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے: "مَا مِنْ نَّبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ قَبْلِیْ، اِلَّا کَانَ لَهٗ فِیْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ، وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ، ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِیَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَ مَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (مسلم)

یعنی سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ کر جاتا ہے۔ یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے، یعنی شریعت الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے اس کو بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے، لیکن اس کے بعد شر وفتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقۂ نبی سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے شریعت نے حکم نہیں دیا۔ سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیامِ حق وسنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مؤمن ہے، اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مؤمن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مؤمن ہے، لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں، اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ

اب رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہوسکتا۔

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

''اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو اَلْعِیَاذُ بِاللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی، کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی، گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، جہالت عالمگیر ہو جائے گی، تمام کاموں میں خرابی آ جائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، آبادیاں خراب ہو جائیں گی، مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روزِ محشر خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہوگی۔

افسوس! صد افسوس!! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا ''كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا o'' (الاحزاب:۳۸) فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o

اس سر سبز ستون کے علم و عمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں، لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکّہ قلوب پر جم گیا، خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہو گئے، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں، بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت گوارا کرے۔

اگر کوئی مردِ مؤمن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیا میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کے لئے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہوگا۔''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لئے کافی ہیں۔

ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں:۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کر لیا، حالانکہ خطاباتِ قرآنی عام ہیں جو امتِ محمدیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خَیْرُ الْقُرُون کی زندگی اس کے لئے شاہدِ عدل ہے۔

فریضۂ تبلیغ اور اَمر بالمَعْروف ونَہی عن المُنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانا یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے۔ اس کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے:

اَلَا! کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ عَلَیْھِمْ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ، وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ، فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ. (بخاری ومسلم)

خبردار! بیشک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنی رَعِیَّت کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے۔ پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے، وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے اُن کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے اور وہ ان کے بارے میں سوال کی جاوے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔ پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے:

فضائل اعمال اُردو

قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ. (مسلم)

حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: دین سراسر نصیحت ہے۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا: کس کے لئے؟ فرمایا: اللہ کے لئے اور اللہ کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔

اگر بفرضِ مُحال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضاءِ زمانہ کا مقتضٰی یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اِعلاءِ کَلِمَۃُ اللہ اور حفاظت دینِ متین کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو دوسروں کی گمراہی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیتِ شریفہ کا مفہوم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط (المائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ (بیان القرآن)

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لئے کہ یہ معنی حکمتِ خداوندیہ اور تعلیماتِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امت مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بَنی نَوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جاوے، اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لئے تسلّی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو تو تم کو اُن لوگوں سے مَضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعتِ محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ احکامِ خداوندی کے ایک اَمر بالمَعروف اور نَہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

عَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ قَالَ: اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّکُمْ تَقْرَءُ وْنَ ھٰذِہِ الْاٰیَةَ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْکَرَ فَلَمْ یُغَیِّرُوْہُ، اَوْشَکَ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابِہٖ.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ" پیش کرتے ہو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ خلافِ شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیّر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرمادے۔

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لئے ہیں۔ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں:

"علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کردو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن کا حکم دیا گیا اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کردیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں، اس لئے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا (اور وہ امر و نہی ہے) اس نے اس کو ادا کردیا، دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم"۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہوگیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے۔ جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہوسکتی ہے، جب کہ ان کے پاس نہ سلطنت وحکومت ہے، نہ مال وزر ہے اور نہ

سامانِ حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوتِ بازو اور نہ باہمی اتفاق واتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے، زمانۂ رسالت کو بعد ہو چکا، اب اسلام اور مسلمانوں کا اِنحطاط ایک لازمی شے ہے۔ پس اس کے لئے جدوجہد کرنا عبث اور بیکار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃِ نبوت سے بُعد ہوتا جائے گا حقیقی اسلام کی شعائیں ماند پڑتی جائیں گی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقائے شریعت اور حفاظتِ دینِ محمدی کے لئے جدوجہد اور سعی نہ کی جائے، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی، البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور اِستقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جدوجہد پر مبنی تھا آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں، حالانکہ قرآنِ مجید اور حدیثِ شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گذار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا، ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہوسکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآنِ کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا:

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُوْلِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ	برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے۔ اور

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:۹۵،۹۷)

سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کر وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالی نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجرِ عظیم دیا ہے، یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت۔ اور اللہ بڑی مغفرت، رحمت والے ہیں۔

اگر چہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تا کہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو، لیکن اگر بد قسمتی سے آج ہم اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لئے جس قدر جد و جہد ہماری مَقدِرَت اور اِستطاعت میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے، پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جد و جہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی: "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت:٦٩) یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دینِ محمدی کی بقا اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے عروج و ترقی کے لئے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لئے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کئے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے۔ ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں، اگر اب بھی ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اِعلاءِ کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرت خداوندی اور امدادِ غیبی سے سرفراز ہوں گے "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (محمد:۷) یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں، لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔ جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس

میں پس و پیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہئے، پھر انشاء اللہ یہی جدوجہد ہماری پختگی، استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقربِ خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔ یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدوجہد کریں اور وہ رحمٰن و رحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

عَنْ اَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا نَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰى نَعْمَلَ بِهٖ كُلِّهٖ، وَلَا نَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى نَجْتَنِبَهٗ كُلَّهٗ. فَقَالَ ﷺ: بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَّمْ تَعْمَلُوْا بِهٖ كُلِّهٖ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِنْ لَّمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلَّهٗ. (رواه الطبراني في الصغير الاوسط)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارسِ دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ و نصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا، رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتنا اہم امور سے ہے، اس لئے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لئے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفا کرنا ہماری کھلی غلطی ہے۔ اس لئے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت منتفع ہو سکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق اور طلب موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے ان اداروں کا قیام ہمارے لئے کافی تھا، لیکن آج غیر اقوام کی

انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے متنفر اور بیزار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق و رغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہو سکتے ہیں، ورنہ اگر اسی طرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی، تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کا بقا بھی دشوار نظر آتا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بُری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام علیہم السلام نے اس راہ میں برداشت کیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (الحجر: ١٠، ١١)

ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر یہ اس کی ہنسی اڑاتے رہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ دعوتِ حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردارِ دو عالم ﷺ اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں، ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہئے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہئے۔

مَاسَبَق سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا

ضعف اور اضمحلال ہے۔ ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں اِنحطاط آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں، ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لابُدّی اور ضروری تھا اور اس ضعف و انحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کا بقا اور دار و مدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضۂ تبلیغ کو ایسی طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوتِ ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں، ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لئے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سَیِّدُ الاَنْبِیَاءِ وَالمُرْسَلِیْن صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکینِ عرب کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱) بے شک تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھی پیروی ہے۔

اسی کی جانب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اشارہ فرماتے ہیں "لَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا" یعنی اس امتِ محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتدا میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ حق لے کر کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، دنیوی کوئی طاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں خودسری اور خودرائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا، بالخصوص جس کلمۂ حق کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متنفر اور بیزار تھے، ان حالات میں کونسی طاقت تھی جس سے ایک مفلس و نادار، بے یار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا، اب غور کیجئے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پالیا وہ پھر ہمیشہ کے لئے آپ کا ہو رہا، دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا جو آپ

کا مطمحِ نظر اور مقصودِ اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (آل عمران:٦٤)	بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظامِ عمل مقرر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرنا۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ (الاعراف:۳)	تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔

یہی وہ اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (النحل:١٢٥)	اے محمد! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو۔ بیشک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہو اس کی راہ سے، وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو۔

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے ہر پیرو کے لئے مقرر کی گئی:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ عَلٰى	کہہ دو: یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں اللہ کی

بَصِيرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ط وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (یوسف: ۱۰۸)

طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے، اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (حٰمٓ سجدہ: ۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق دکھلانا، گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلانا نبی کریم ﷺ کا وظیفہ حیات اور آپ ﷺ کا مقصدِ اصلی تھا اور اسی مقصد کی نشو ونما اور آبیاری کے لئے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ (الانبیاء: ۲۵)

ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لمحاتِ زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصبُ العین صرف ایک ہے اور وہ اللہ رَبُّ العَالَمِین وَحْدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ کی ذات وصفات کا یقین کرنا، یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○" (الذریات: ۵۶) یعنی ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔ اب جب کہ مقصدِ زندگی واضح ہوگیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہوگئی تو طریق علاج کی تجویز میں زیادہ دُشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا ان شاء اللہ نافع اور سودمند ہوگا۔

ہم نے اپنی نارَسا فہم کے مطابق مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک نظام عمل تجویز

کیا ہے جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اَسلاف کی زندگی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے جس کا اجمالی نقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سب سے اہم اور پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام اغراض ومقاصدِ دنیوی سے قطع نظر کر کے اِعلاء کَلِمَۃُ اللہ اور اشاعتِ اسلام اور احکامِ خداوندی کے رواج اور سرسبزی کو اپنا نصبُ العین بنا دے اور اس بات کا پختہ عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم کو مانوں گا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور کبھی خداوندِ کریم کی نافرمانی نہ کروں گا اور اس نصبُ العین کی تکمیل کے لئے اِس دستورالعمل پر کاربند ہو:۔

۱۔ کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا صحت الفاظ کے ساتھ یاد کرنا اور اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی پوری زندگی اس کے موافق بنانے کی فکر کرنا۔

۲۔ نماز کا پابند ہونا، اس کے آداب وشرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا اور ہر ہر رکن میں خداوند کریم کی عظمت وبزرگی اور اپنی بندگی اور بیچارگی کا دھیان کرنا۔ غرض اس کوشش میں لگے رہنا کہ نماز اس طرح ادا ہو جو اس ربُ العزت کی بارگاہ کی حاضری کے شایانِ شان ہو۔ ایسی نماز کی کوشش کرتا رہے اور حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کرے۔ اگر نماز کا طریقہ معلوم نہ ہو تو اس کو سیکھے اور نماز میں پڑھنے کی تمام چیزوں کو یاد کرے۔

۳۔ قرآنِ کریم کے ساتھ وابستگی اور دل بستگی پیدا کرنا، جس کے دو طریقے ہیں:۔

(الف) کچھ وقت روزانہ ادب واحترام کے ساتھ معنی ومفہوم کا دھیان کرتے ہوئے تلاوت کرنا۔ اگر عالم نہ ہو اور معنی ومفہوم کو سمجھنے سے قاصر ہو تب بھی بغیر معنی سمجھے کلامِ ربانی کی تلاوت کرے، اور سمجھے کہ میری فلاح وبہبود اسی میں مُضمر ہے۔ محض الفاظ کا پڑھنا بھی سعادتِ عظمیٰ ہے اور موجب خیر وبرکت ہے اور اگر الفاظ بھی نہیں پڑھ سکتا تو تھوڑا وقت روزانہ قرآن مجید کی تعلیم میں صرف کرنا۔

(ب) اپنے بچوں اور اپنے محلہ اور گاؤں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی قرآنِ مجید اور مذہبی تعلیم کی فکر کرنا اور ہر کام پر اس کو مقدم رکھنا۔

۴۔ کچھ وقت یادِ الٰہی اور ذکر و فکر میں گذارنا۔ پڑھنے کے لئے کوئی چیز کسی شیخ طریقت متبعِ سنت سے دریافت کرے، ورنہ کلمۂ سوم "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" اور درود واستغفار کی تسبیح، ایک صبح اور ایک شام معنی کا دھیان کرتے ہوئے، جی لگا کر اطمینانِ قلب کی ساتھ پڑھے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۵۔ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا، اس کے ساتھ ہمدردی اور غم گساری کا برتاؤ کرنا، صفتِ اسلام کی وجہ سے اس کا ادب و احترام کرنا، ایسی باتوں سے بچنا جو کسی مسلمان بھائی کی تکلیف و اذیت کا باعث ہوں۔

ان باتوں کا خود بھی پابند بنے اور کوشش کرے کہ ہر مسلمان ان کا پابند بن جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اپنا کچھ وقت دین کی خدمت کے لئے فارغ کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے کر دین کی خدمت اور اشاعتِ اسلام کے لئے آمادہ کرے۔

جس دین کی اشاعت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام نے مشقتیں برداشت کیں، طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے اسلاف نے اپنی عمروں کو اس میں صرف کیا اور اس کی خاطر راہِ خدا میں اپنی جانوں کو قربان کیا، اس دین کی تَرویج اور بقا کے لئے تھوڑا وقت نہ نکالنا بڑی بدنصیبی اور خسران ہے اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آج ہم تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

پہلے مسلمان ہونے کا مفہوم یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنا جان و مال، عزت و آبرو، اشاعتِ اسلام اور اِعلاءِ کلمۃ اللہ کی راہ میں صرف کرے اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا تھا وہ بڑا نادان سمجھا جاتا تھا، لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور دین کی باتوں کو اپنی آنکھوں سے مٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور پھر بھی اس دین کی ترویج اور بقا کے لئے کوشش کرنے سے گریز

کرتے ہیں۔غرض اِعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ دینِ متین جو مسلمان کا مقصدِ زندگی اور اصلی کام تھا اور جس کے ساتھ ہماری دونوں جہان کی فلاح و ترقی وابستہ تھی اور جس کو چھوڑ کر آج ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔اب پھر ہمیں اپنے اصلی مقصد کو اختیار کرنا چاہئے اور اس کام کو اپنا جزوِ زندگی اور حقیقی مشغلہ بنانا چاہئے، تا کہ پھر رحمت خداوندی جوش میں آوے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی سرخ روئی اور شادابی نصیب ہو۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر بالکل اس کام میں لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسا اور دنیوی ضروریات انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور ان کو انجام دیا جاتا ہے، اس کام کو بھی ضروری اور اہم سمجھ کر اس کے واسطے وقت نکالا جائے۔جب چند آدمی اس مقصد کے لئے تیار ہو جائیں تو ہفتہ میں چند گھنٹے اپنے محلے میں اور مہینہ میں تین دن قرب و جوار کے مواضعات میں، اور سال میں ایک چلّہ دور کے مواضعات میں اس کام کو کریں اور کوشش کریں کہ ہر مسلمان امیر ہو یا غریب، تاجر ہو یا ملازم، زمیندار ہو یا کاشتکار، عالم ہو یا جاہل، اس کام میں شریک ہو جائے اور ان امور کا پابند بن جائے۔

کام کرنے کا طریقہ

کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کے لئے نکلے۔ اوّل اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنادے اور پھر سب مسجد میں جمع ہوں اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کریں (بشرطیکہ وقتِ مکروہ نہ ہو)۔ بعد نماز مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اِلتجا کریں اور نصرت و کامیابی اور تائید خداوندی اور توفیقِ الٰہی کو طلب کریں اور اپنے ثبات اور اِستقلال کی دعا مانگیں۔ دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں اور فضول بات نہ کریں۔ جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تمام محلّہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں۔ اول ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد لیں اور اس طریقہ پر کام کرنے کے لئے آمادہ کریں اور ان لوگوں کے ہمراہ گھروں کے دروازوں پر جا کر عورتوں سے بھی نماز پڑھوائیں اور ان کی پابندی کی تاکید کریں۔

جو لوگ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ان کی ایک جماعت بنادی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرادیا جائے اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے۔ ہر تبلیغ کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرے اور امیر کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گذاری اور راحت رسانی، ہمت افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے اور قابل مشورہ باتوں میں سب سے مشورہ لے کر اس کے موافق عمل کرے۔

تبلیغ کے آداب

یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادتِ عظمیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نیابت ہے۔ کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے۔ اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اِصلاح اور عبدیت کا اظہار اور حکمِ خداوندی کی بجا آوری اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ پس چاہئے کہ امورِ مندرجہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرے اور ان کی پابندی کرے۔

۱۔ اپنا تمام خرچ کھانے پینے، کرایہ وغیرہ کا حتی الوسع خود برداشت کرے اور اگر گنجائش اور وسعت ہو تو اپنے نادار ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

۲۔ اپنے ساتھیوں اور اس مقدس کام کرنے والوں کی خدمت گذاری اور ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھے اور ان کے ادب واحترام میں کمی نہ کرے۔

۳۔ عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھے۔ بات کرنے میں نرم لہجہ اور خوشامد کا پہلو اختیار کرے۔ کسی مسلمان کو حِقارت اور نفرت کی نظر سے نہ دیکھے۔ بالخصوص علماءِ دین کی عزت وعظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح ہم پر قرآن و حدیث کی عزت وعظمت، ادب و احترام واجب اور ضروری ہے، اسی طرح ان مقدس ہستیوں کی عزت وعظمت، ادب واحترام بھی ضروری ہے جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ علماءِ حق کی توہین دین کی توہین کے مُترادف ہے، جو خدا کے غَیظ وغضب کا مُوجِب ہے۔

۴۔ فرصت کے خالی وقتوں کو بجائے جھوٹ، غیبت، لڑائی، فساد، کھیل تماشے کے مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابند لوگوں کے پاس بیٹھنے میں گذارے جس سے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں معلوم ہوں، خصوصاً ایامِ تبلیغ میں فضول باتوں اور فضول

کاموں سے بچے اور اپنے فارغ اوقات کو یادِ الٰہی اور ذکر وفکر اور درود واِستغفار اور تعلیم وتعلّم میں گذارے۔

۵۔ جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کفایت شعاری کے ساتھ اس کو خرچ کرے، اور اپنے اہل وعیال اور دیگر اَقرِباء کے شرعی حقوق کو ادا کرے۔

۶۔ کسی نزاعی مسئلہ اور فروعی بات کو نہ چھیڑے، بلکہ صرف اصل توحید کی طرف دعوت دے، اور ارکانِ اسلام کی تبلیغ کرے۔

۷۔ اپنے تمام افعال واقوال کو خلوصِ نیت کے ساتھ مزیّن اور آراستہ کرے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی موجب خیر وبرکت اور باعث ثمراتِ حسنہ ہوتا ہے اور بغیر اخلاص کے نہ دنیا ہی میں کوئی ثمرہ نکلتا ہے نہ آخرت میں اجر وثواب ملتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین کے کاموں میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ (تھوڑا) عمل بھی کافی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ "حق تعالیٰ شانہ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالص انہیں کے لئے کیا گیا ہو"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتے، بلکہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں"۔ پس سب سے اہم اور اصل شے یہ ہے کہ اس کام کو خُلوص کے ساتھ کیا جائے۔ ریا ونمود اس میں داخل نہ ہو۔ جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر کام میں ترقی اور سر سبزی ہوگی۔ اس دَستورُ العمل کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے آ گیا اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر بھی کافی روشنی پڑ گئی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ کشمکش اور اضطراب وبے چینی میں یہ طریقِ کار کس حد تک ہماری رہبری کر سکتا ہے؟ اور کہاں تک ہماری مشکلات کو دور کر سکتا ہے؟ اس کے لئے پھر ہمیں قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے ہماری اس جدوجہد کو ایک سودمند تجارت سے تعبیر کیا ہے اور اس کی جانب اس طرح رغبت دلائی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(الصف: ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳)

اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچائے۔ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں تم اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں، جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے، اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی۔ اور آپ مومنین کو بشارت دے دیجئے۔

اس آیت میں ایک تجارت کا تذکرہ ہے جس کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عذاب الیم سے نجات دلانے والی ہے۔ وہ تجارت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاویں اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کریں۔ یہ وہ کام ہے جو ہمارے لئے سراسر خیر ہے، اگر ہم میں کچھ بھی عقل وفہم ہو۔ اس معمولی کام پر ہمیں کیا منافع ملے گا؟ ہماری تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کو ایک دم معاف کر دیا جائے گا اور آخرت میں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ یہی بہت بڑی کامیابی اور سرفرازی ہے مگر اس پر بس نہیں بلکہ ہماری چاہتی چیز بھی ہمیں دے دی جائے گی اور وہ دنیا کی سرسبزی اور نصرت و کامیابی اور دشمنوں پر غلبہ وحکمرانی ہے۔

حق تعالیٰ نے ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا: اول یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاویں۔ دوسرے یہ کہ اپنے جان، مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے

بدلے میں دو چیزوں کی ہم سے ضمانت کی: آخرت میں جنّت اور ابدی چین اور راحت، اور دنیا میں نصرت و کامیابی۔ پہلی چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ ایمان ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے اس طریق کا منشا بھی یہی ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو۔ دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے۔ جہاد کی اصل اگرچہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے، مگر درحقیقت جہاد کا منشا بھی اِعلاءِ کلمۃُ اللہ اور احکامِ خداوندی کا نفاذ اور اجرا ہے اور یہی ہماری تحریک کا مقصدِ اصلی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا خوشگوار ہونا اور جنّت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا، خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے پر موقوف ہے، ایسا ہی دنیاوی زندگی کی خوشگواری اور دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونا بھی اس پر موقوف ہے کہ ہم خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لاویں اور اپنی تمام جدوجہد کو اس کی راہ میں صرف کریں۔

اور جب ہم اس کام کو انجام دے لیں گے یعنی خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لے آویں گے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرکے اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ بنالیں گے تو پھر ہم روئے زمین کی بادشاہت اور خلافت کے مستحق ہوجائیں گے اور سلطنت و حکومت ہمیں دے دی جائے گی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ؕ (النور:۵۵)	تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے

بدل دے گا، بشرطیکہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

اس آیت میں تمام اُمت سے وعدہ ہے ایمان و عملِ صالح پر حکومت دینے کا جس کا ظہور عہدِ نبوی سے شروع ہو کر خلافتِ راشدہ تک متصلاً مُمتد رہا۔ چنانچہ جزیرۂ عرب آپ ﷺ کے زمانے میں اور دیگر ممالک زمانۂ خلفاء راشدین میں فتح ہو گئے، اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً گو اِتّصال نہ ہو، دوسرے صلحاءِ ملوک و خلفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ دوسری آیت فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ٥ (المائدة:٥٦) و نحوه (بیان القرآن)

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں چین و راحت اور اطمینان و سکون اور عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ ہم اس طریق پر مضبوطی کے ساتھ کاربند ہوں اور اپنی اجتماعی اور انفرادی ہر قسم کی قوت اس مقصد کی تکمیل کے لئے وقف کریں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران:١٠٣)	تم سب دین کو مضبوط پکڑو اور ٹکڑے ٹکڑے مت بنو۔

یہ ایک مختصر ''نظامِ عمل'' ہے جو درحقیقت اسلامی زندگی اور اسلاف کی زندگی کا نمونہ ہے۔ ملکِ میوات میں ایک عرصہ سے اس طرز پر کام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس ناتمام کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے۔ اس کام کے وہ برکات و ثمرات اس قوم میں مشاہدہ کئے گئے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر تمام مسلمان اجتماعی طور پر اس طریقِ زندگی کو اختیار کرلیں تو حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کی تمام مصائب اور مشکلات دور ہو جائیں گی اور وہ عزت و آبرو اور اطمینان و سکون کی زندگی پالیں گے اور اپنے کھوئے ہوئے دبدبے اور وقار کو پھر حاصل کرلیں گے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:٨)

ہر چند میں نے اپنے مقصد کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن یہ چند تجاویز کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک عملی نظام کا خاکہ ہے جس کو اللہ کا برگزیدہ بندہ (سیدی و مولائی مخدومی و مخدوم العالم

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) لے کر کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کو اس مقدس کام کے لئے وقف کیا۔ اس لئے آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان بے ربط سطور کے پڑھنے اور سمجھنے پر اکتفانہ کریں، بلکہ اس کام کو سیکھیں اور اس نظام کا عملی نمونہ دیکھ کر اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اسی جانب متوجہ کرنا میرا مقصود ہے اور بس۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کیلئے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ط